تعلیمات اسلام کا علمبردار دینی و علمی ماہنامہ
الحق
سرپرست
شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق مدظلہ
دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور، پاکستان

لہٗ دعوۃ الحق

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر رہائش — ۲　　　فون نمبر دارالعلوم — ۴

مدیر : سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک۔ پاکستان میں سالانہ ۲۰/- روپے فی پرچہ دو روپے، بیرون ملک بحری ڈاک ۳ پونڈ، ہوائی ڈاک ۵ پونڈ

جلد نمبر : ۱۴
شمارہ نمبر : ۷

جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ
اپریل ۱۹۷۹ء

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

عجائب خانۂ عالم کا مرقعِ عبرت

عبرت سرائے دہر کا یہ کتنا واضح مرقعِ عبرت ہے، جسے دستِ قدرت نے پاکستان کے سابق صدر سابق وزیراعظم اور چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کی شکل میں عجائب خانۂ عالم میں رکھوا دیا ہے تاکہ یہ عبرتناک واقعہ یہ بھیانک انجام اور یہ بطشِ شدید مکافاتِ عمل سے غافل اور نتائج اعمال سے بےخبر انسانوں کے لئے عبرت و نصیحت کا ایک عظیم الشان سامان بن جائے۔ یہ واقعہ ہائلہ عصر حاضر کی تاریخ کا ایک زور دار طمانچہ ہے خود فراموش اور خدا فراموش انسانوں کے منہ پر، غرور و نخوت سے سرشار متکبرین اور متجبرین کے لئے، عظمت و جبروت، قوت و اقتدار کے بلا شرکت غیرے مالک ربّ السمٰوٰت والارضین کی صفاتِ عظمت و کبریائی میں دست اندازی کرنے والے چھوٹے جبّار اور سرکش حکمرانوں کے لئے اور اُن تمام سیاسی قائدین اور زعماء کے لئے جو منافقت و عیاری کا لبادہ اوڑھ کر سادہ لوح عوام کو اپنے حرص و ہوس کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔

جناب بھٹو کا وہ بے مثال عروج اور یہ بے مثال شرمناک اور اذیّت ناک انجام۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ ایک ظالم و جابر انسان جو اپنے آپ کو ہر انسانی اور اخلاقی قدر و شرف اور عدل و انصاف، ضمیر و احساس، شرافت و نجابت کے ہر تقاضے سے بالاتر سمجھتا رہا، اور جو ملّت کے معنوی اور انسانی قدروں کے لئے معنوی موت کا پیام بر بنا رہا، اُس کا تختۂ دار پر چڑھنے کا واقعہ اور اتنی ذلّت آمیز موت اگر آج ملّت کی ظاہری و معنوی حیات کا مژدہ سنا رہی ہے تو اس میں حیرت و تعجب کی کونسی بات ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:
ولکم فی القصاص حیاۃ یٰاولی الالباب۔ اے عقل و بصیرت والو قصاص اور پھر ایسا قصاص یہ تو تمہارے لئے پیغامِ حیات ہے، اگر قدرت کی گرفت نہ ہوتی اور کوئی ظالم اپنے انجام بد کا شکار نہ ہوتا۔ تو کیا خدا کی یہ بستی ظلم و شر سے تہس نہس ہو کر نہ رہ جاتی اور کیا ایسا ہونا خدا کے شانِ عدل و رحم کے شایان ہوتا؟

پس بھٹو بھی قانونِ فطرت کے عین مطابق اپنا بویا ہوا فصل کاٹ کر اور اپنے سوء عاقبۃ سے ہمکنار ہو کر موجودہ اور آنے والی نسلوں کے لئے نکال و موعظت کا سامان بن چکا ہے۔ فجعلنٰھا نکالاً لما بین یدیھا وما خلفھا وموعظۃ للمتقین۔ احتسابِ خداوندی بقدرِ نعمت و احسانات ہوا کرتی ہے، بھٹو کو خداوند تعالیٰ

نے صلاحیت اور استعدادِ عمل کی وافر دولت عطا فرمائی، ذہانت و فطانت سے نوازا اور پھر ہر طرح کے وسائل و ذرائع سے لیس کر کے اُسے خدمت و تصرف کے عظیم الشان مواقع عطا فرما دیئے مگر جتنی نعمتیں بڑھتی گئیں اتنی ہی اس کی خدا فراموشی اور خود فراموشی، ناشکری اور حق ناشناسی کی تہیں سخت سے سخت تر ہوتی گئیں۔ اُس نے خدا کی دی ہوئی صلاحیتوں کو ظلم و فساد، فریب و نفاق، عیاری اور مکاری، جبر و استبداد کے فروغ کا ذریعہ بنا دیا۔ یہاں تک کہ وہ اہل ہوی و ہوس اور اصحابِ فسق و فجور کے لئے محبت کی نشانی اور عظمت کا آئیڈیل ہو گئے۔ ابلیسی قوتوں نے اُسے اپنا محافظ جانا اور وہ بالآخر گناہ کا سمبل بن کر رہ گئے۔ بھٹو کی یہی وہ امتیازی شان ہے۔ جو آج بھی معاشرہ کے بگڑے ہوئے اور شر و بدی کے رسیا اور متوالے جرائم پیشہ طبقوں کیلئے ایک بت بنا ہوا ہے، عقیدت و محبت کے اس طلسم ہوشربا کا در پردہ اصل محرک درحقیقت انسان کا وہی جذبۂ نفسانی اور خواہشاتِ حیوانی ہیں جو اہل فسق و معصیت کے لئے سامان ہلاکت بنے رہتے ہیں۔

بھٹو نے سیاست کے میدان میں بے شمار جرائم کئے وہ ملک کو دولخت کر گئے، مسلم قوم کا شیرازہ اتحاد بکھیر دیا۔ اسلامی، اخلاقی اور معنوی قدریں پامال کر دیں، ہزاروں بے گناہ انسانوں کے قتل و تباہی کے مرتکب ہوئے اور یہ سب باتیں ایسے ننگِ ملت ننگِ دین اور ننگِ وطن غداروں کی پھانسی کے لئے کافی ہوتی ہیں مگر اُن کی پھانسی بھی ایسی تمام باتوں سے نہیں، ایک بے گناہ انسان کے خون ناحق بہانے سے ہوئی اور صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے جس انداز میں اسلام کے نظامِ عدل و انصاف کے تمام تقاضوں کے عین مطابق اعلیٰ سے اعلیٰ عدالتوں میں طویل نقد و جرح، جانچ پرکھ اور مواقع صفائی فراہم کرنے کے بعد اور عدالتوں کے فیصلہ کے بعد سزا نافذ کرا دی۔ شاید صدیوں کے بعد اسلام کے نظامِ عدل و انصاف کو اس طرح بے لاگ اور دوٹوک انداز میں نافذ کرنے کی اتنی روشن مثال سامنے آئی ہو۔ حقوقِ انسانیت کے علمبردار اور مظلوموں کی حمایت کے دعویدار عیار یورپ کو شور و واویلا کرنے کی بجائے تاریخ عدل و انصاف کے اس سنہرے اور روشن واقعہ پر تحسین و مرحبا کے نعرے بلند کرنے چاہیئے تھے مگر وہ جو اپنے کسی شاہی خاندان کے دور سے وابستہ کسی فرد کا معمولی جرمانہ ہو جانے پر اپنی جمہوریت اور عدل و انصاف کے شور سے قیامت برپا کر دیتے ہیں اور اپنے مقاصدِ ذلیلہ کیلئے ہزاروں لاکھوں انسان چشم زدن میں بھون ڈال دیتے ہیں اور خدا کی زمین کو آگ اور خون سے بھر دیتے ہیں وہ کب کسی اسلامی حکومت و معاشرہ کے اس عادلانہ اور جرأتمندانہ کارنامہ پر حقیقت پسندی اور وسیع الظرفی کا مظاہرہ کر سکتے تھے۔ یہ اسلامی تاریخ تھی جہاں خلیفہ وقت ایک غریب اور بے بس انسان کے ساتھ اور ایک جابر و مطلق العنان امیر المومنین ایک قلّی و باندھی

کے دعویٰ پر عدالتِ عالیہ میں ملزموں کے کٹہرے میں ایک ساتھ کھڑے ہو جاتے۔ اور آج یہ بھی اسلامی تاریخ ہی کا ایک شاندار باب ہے کہ اقتدار و قوت کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب پر فائز ہونے والے کسی شخص کو قانونِ عدل و انصاف کے احترام میں تخت کی بجائے تختہ پر چڑھا دیا گیا اور اس راہ میں ہر قسم کی ترغیب و ترہیب اور ہر بیرونی و اندرونی مطالبہ اور دباؤ کو نظر انداز کر دیا گیا۔ کہ جو قومیں اس راہ میں امیر و غریب، بڑے اور چھوٹے اپنے اور پرائے کی تمیز کرنے لگتی ہیں وہ بلاریب ہلاکت و زوال سے ہمکنار ہو جاتی ہیں۔ اقیموا حدود الله علی القریب والبعید۔ (الحدیث)

اب جب بھٹو اس دنیا میں نہیں رہے مگر اُن کے پیدا کردہ فتنے اور آثار (افتراق و انتشار، جھوٹ و فریب، بحران اور غیر یقینی کیفیت، فوضویت اور اباحیت اور فرقِ مراتب کی پامالی، اقدارِ انسانیت کی بربادی اور معلوم نہیں کیا کیا لعنتیں) وہ اپنے باقیاتِ سیئات میں چھوڑ کر چلے گئے ہیں اور جسے ہم "بھٹو ازم" کا نام دے سکتے ہیں، بھٹو کے بعد اس "بھٹو ازم" کو ختم کرنے کے لئے قوم کو، زعماء کو، معاشرہ کو اور بالخصوص برسرِ اقتدار طبقہ اور حکومت کو شدید تر محنت کرنی ہوگی، عوام کے مسائل کے حل کے لئے بہت بڑے پیمانہ پر اقدامات کرنے ہوں گے، اندرونی اضطراب اور بے چینی کو ختم کرنا ہوگا، گناہ اور بدی کی شدت سے حوصلہ شکنی اور سرکوبی کرنی ہوگی۔ غریبوں اور بے بسوں کو اسلام کے نظامِ عدل و اقتصاد اور اسلام کے شانِ رحمت و رأفت سے عملاً متعارف کرانا ہوگا کہ وہ اُسے اپنے دکھوں کا مداوا سمجھ لیں اور انہیں یقینِ صادق اور ایمان محکم آ جائے۔ تب ہمیں بھٹو ازم سے نجات ملے گی اور اگر ایسا نہ ہوا تو ظلمت و شر، اور ظلم و بدی کا یہ لاوا کہیں نہ کہیں پھر اتنی شدت سے پھوٹ پڑے گا، کہ رہے سہے خیر و صلاح اور اصلاح کے نشانات بھی بھک سے اُڑ جائیں گے۔ ولا فعلها الله۔ والله یقول الحق وهو یهدی السبیل۔

سمیع الحق

بیشمار مصروفیات اور گوناگوں مشکلات اور وسائل کی کمی کی وجہ سے الحق کئی ماہ سے پوری کوشش کے باوجود لیٹ چھپ رہا ہے۔ تاہم چھپتے ہی الحق کی ترسیل تمام قارئین کو ایک ہی وقت میں کی جاتی ہے۔ جبکہ قارئین میں سے بعض کو یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ شاید صرف انہیں تاخیر سے الحق بھیجا گیا ہے۔ ہم معزز قارئین سے درخواست کرتے ہیں کہ اس تاخیر کو درگذر فرمائیں۔ ہم حالات درست کرنے اور الحق قارئین کرام کی خدمت میں ٹھیک وقت پر پہنچانے کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ "ادارہ"

حکیم الاسلام حافظ قاری حضرت مولانا محمد طیب مدظلہ

قسط

کی تشکیلِ جدید کا مسئلہ

گذشتہ سے پیوستہ

اس لئے فکرِ اسلامی کی تشکیل جدید کے سلسلے میں پہلا قدم جو ہمیں اٹھانا چاہئے وہ یہ ہے کہ ہمیں اپنے فکر کے لئے سب سے پہلا فکر ایک نشانہ اور ہدف متعین کر لینا چاہئے جس پر ہم اپنے فکر کی توانائی صرف کریں۔ اور شاخ در شاخ مسائل اس نقطے سے جوڑتے چلے جائیں جس سے نہ صرف راستہ ہی سامنے آجائیگا بلکہ تشتت افزا اوہام وخیالات بھی خود بخود اس سے دفع ہوتے چلے جائیں گے اور ہمارا قدم بجائے منفی ہونے کے مثبت انداز سے آگے بڑھتا چلا جائے گا۔ سو ہمارے نزدیک وہ جامع نقطہ ایک ہی ہے جس کا نام منہاج نبوۃ ہے جس پر فکر کو مرکوز کر دینے کی ضرورت ہے، کیونکہ اس منہاج ہی کی شمع ہاتھ میں لے کر یہ قوم آگے بڑھی ہے۔ اور ظلمتوں میں اجالا پھیلتا چلا گیا ہے۔ پس اس منہاج سے آج بھی آگے بڑھ سکتی ہے۔ اس منہاج نبوۃ کو سامنے رکھ کر ہمارے سامنے وہ مزاج آجائے گا جو اس امت میں نبی امت نے پیدا فرمایا ہے۔ اور یہ واضح ہو جائے گا کہ خود اسلام کی تشکیل کا آغاز کس نوعیت سے ہوا کہ ہم اس کے فکر جدید کا آغاز بھی اس نوعیت سے کریں نیز یہ بھی سامنے آجائے گا کہ اس نے ابتدائی مراحل سے گزر کر اور آخر کار اپنی انتہائی منزل پر پہنچکر بحیثیت مجموعی اس امت کا مزاج کیسا بنایا۔؟ اور اسے کس ذوق پر ڈھالا، غور کیا جائے تو اس منہاج نبوۃ نے اصولی طور پر ہمیں دین کے بارے میں کمال اعتدال اور توسط کا راستہ دکھایا ہے۔ نہ تو اس نے ہمیں رہبانیت کے راستے پر ڈالا کہ ہم عبادت اور دین داری کے نام پر دنیا کو کلیتہً ترک کر کے زاویہ نشین ہو جائیں۔ شہری آبادیوں، تمدنی معاملات اور مدنیت کے سارے تقاضوں بلکہ خود اپنے سارے طبعی جذبات و میلانات کو بھی چھوڑ کر پہاڑوں اور غاروں میں جا بیٹھیں کہ نہ گھر ہو نہ در، نہ معاشرہ ہو نہ معیشت، نہ انسانی روابط ہوں، نہ قومی تعلقات، نہ موانست باہمی ہو، نہ اجتماعیت،

کہ نہ یہ اسلام کا مزاج ہے نہ اس کا مطالبہ اور نہ ہی فطرۃ کا تقاضا۔ اس لئے اسلام نے اس کا نام رہبانیت رکھ کر اس کی برملا نفی کی ہے۔ کہ :

لا رھبانیۃ فی الاسلام — اسلام میں رہبانیت کیلئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اور نہ ہی ہمیں بہیمیت کے راستے پر ڈالا ہے۔ کہ ہم مدنیت کے نام پر عبادت الٰہی اور طاعت نبوی سے بیگانہ ہو کر کلیۃً نظام دنیا سنوارنے، جاہ و مال کے خزانے بٹورنے میں لگ جائیں اور راحت طلبی اور عیش کوشی میں غرق ہو جائیں اور ہماری زندگی کا نصب العین ہی ہوس رانی، حظ اندوزی اور ہوائے نفس کی غلامی کے سوا دوسرا نہ ہو۔ نہ عقائد رہیں نہ عبادات، نہ فرائض رہیں نہ سنن، نہ واجبات ہوں نہ ان کی لگن، نہ قومی تربیت کا داعیہ رہے۔ نہ صلہ رحمی اور خیر جوئی اور نہ اولاد و اقارب کا جذبہ، بلکہ رات دن ہوائے نفس کی پیروی، شبانہ روز لہو و لعب عیش و طرب، آرائش و آسائش اور نمائش و زیبائش مالی تکاثر اور جاہی تفاخر ہی زندگی کا مشغلہ بن کر رہ جائے سو اسے بھی اسلام نے نمائشی زندگی، متاع اور غفلت یا بالفاظ مختصر بہیمیت کہہ کر اسے امت کے قومی مزاج سے خارج کر دیا ہے۔ فرمایا :

وما الحیٰوۃ الدنیا الا متاع الغرور یعلمون ظاھرا من الحیٰوۃ الدنیا وھم عن الاٰخرۃ ھم غافلون ○	اور دنیاوی زندگی تو کچھ بھی نہیں صرف دھوکے کا سودا ہے۔ یہ لوگ صرف دنیاوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور یہ لوگ آخرت سے بے خبر ہیں۔
...	...
ذرھم یاکلوا ویتمتعوا ویلھھم الامل فسوف یعلمون۔	اور آپ ان کو (ان کے حال پر) رہنے دیجئے کہ وہ کھالیں اور چین اڑالیں اور خیالی منصوبے ان کو غفلت میں ڈالے رکھیں ان کو ابھی حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے۔
...	

بلکہ اس افراط و تفریط سے الگ کر کے دنیا کو ترک کرنے کی بجائے اس کی لگن کو ترک کرایا ہے اور دین کو اصل رکھنے کے ساتھ اس میں غلو اور مبالغے سے روکا ہے یعنی ایک ایسا جامع فکر دیا ہے جس میں دنیا کے شعبوں کو زیر استعمال رکھ کر ان ہی میں سے آخرت پیدا کی ہے۔ چنانچہ دنیا کو کھیتی بتلایا اور آخرت کو اس کا پھل۔

الدنیا مزرعۃ الاٰخرۃ۔ — دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

حاصل یہ نکلا کہ اگر پھل ضروری ہے تو کھیتی بھی اتنی ہی ضروری ہے۔ اس لئے اسلام کے ہر حکم میں جہاں اجر آخرت ہے وہیں حظ دنیا بھی شامل ہے۔ مثلاً اگر مسواک میں ثواب آخرت ہے تو وہیں منہ کی خوشبو بھی

پیشِ نظر ہے ۔ اگر طیبات رزق میں بہ نیت حسن عبادت کی قوت رکھی گئی ہے وہیں کام و دہن کے ذائقے سے بھی اجتناب نہیں بتلایا گیا ہے ۔ اگر لباس میں بہ نیت آخرت اور غیرت حیا اور ستر عورت کا تحفظ اصل ہے تو وہیں حسن دنیوی اور وقار بھی ملحوظ ہے ، اگر ازار کو ٹخنوں سے نیچا اور زمین سے گھسٹتا ہوا رکھنے کی ممانعت سے کبر و نخوت اور جاہ پسندی کے تخیل سے بچایا ہے تو وہیں لباس کو آلودگی اور گندگی سے پاک اور صاف رکھنے کی صورت بھی اختیار کی گئی ہے ، جو دنیاوی مفاد ہے ۔ اگر تخت شاہی کا اصل مقصد عدل کے ساتھ تحفظ ملک ، خدمتِ خلق اور قومی تربیت بجوا بدہی آخرت اصل ہے تو وہیں اسے دنیوی وقار و عزت اور سیادت و قیادت کے حظوظ سے بھی بھرپور کیا گیا ہے ۔ بہرحال آخرت کی سچی طلب کے ساتھ دنیا کا کسب و اکتساب بھی لازمی رکھا گیا ہے — صائب نے اس ذوق کو کس خوبی سے ادا کرتے ہوئے کہا ہے ؎

فکرِ دنیا کن و اندیشۂ عقبیٰ مگذار   تا لعقبیٰ نہ رسی دامن دنیا مگذار

غرض منہاج نبوت نے رہبانیت اور بہیمیت کے درمیان معتدل مزاج پر اس امت کو ڈھالا ہے جس میں طبعی جذبات بھی پامال نہ ہوں بلکہ ٹھکانے لگ جائیں اور عقلی مقاصد کی تکمیل میں بھی فرق نہ پڑے اور وہ بروئے کار آجائیں اس لئے اس منہاج کے عناصر ترکیبی تہذیب نفس ، تدبیر منزل ، سیاست مدن ، تسخیر اقالیم ، تعظیم امر اللہ ، شفقت علی خلق اللہ ، نظام اجتماعیت ، جماعتی تنظیم و مرکزیت اخلاق و ایثار کی منظم تربیت ، نظام امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور اس کے ساتھ فکر آخرت اور محاسبہ اخروی کا استحضار قرار پائے اور پوری قوم کو اسی رنگ میں رنگا گیا ہے ۔ تاکہ یہ قوم جامع دین و دنیا بن کر بجائے اس کے کہ دنیا کی اقوام کی حامد ، مقلد اور مقتدی بنے اسے خود دار بنا کر امام اقوام اور داعی حق و صداقت کی حیثیت دی گئی ہے ؎

جس طرح احمد مختار ہیں نبیوں میں امام   اُن کی امت بھی ہے دنیا میں امام اقوام

پس آج جس چیز کی ضرورت ہے وہ صرف یہ ہے کہ اس منہاج نبوت کو سمجھ کر فکر اسلامی کو ایک نئی ترتیب اور نئے رنگ استدلال سے آج کی زبان اور اسلوب بیان سے مرتب کیا جائے کہ حقیقی معنی میں اسلامی فکر کی یہی تشکیل جدید ہوگی ، ورنہ اس منہاج اور اس کے متوارث ذوق سے ذرا بھی ہٹ کر تشکیل ہوگئی تو وہ تشکیل نہ ہوگی بلکہ تبدیل ہو جائے گی جو قلب موضوع ہوگا ، اس لئے تشکیل جدید کا خلاصہ دو لفظوں میں یہ ہے کہ مسائل ہمارے قدیم ہوں اور دلائل جدید ، تاکہ یہ نئی تشکیل قائم کر کے ہم خلافت الٰہی اور نیابت نبوی کا حق ادا کر سکیں ۔ فکر اسلامی کی تشکیل جدید کا یہ پہلا قدم ہے یا مرکزی نقطہ ہے جس سے ہمیں کام کا آغاز کرنا ہے اور اسی نقطہ پر اپنی تمام توانائیاں صرف کرنی ہیں ۔ اس تشکیل جدید کے سلسلے میں دوسرا قدم وہ اصول اور قواعد کلیہ اور ضوابط ہیں جن کے نیچے منہاج نبوۃ کے تمام عقائد و احکام و اخلاق و عبادات اور معاملات و اجتماعیات وغیرہ آتے ہیں تاکہ ہماری تشکیل جدید کا سرچشمہ وہی اصول

ہوں جن سے مسائل کی تشکیل قدیم عمل میں آئی تھی اور اس طرح قدیم و جدید تشکیل میں کوئی تفاوت یا تبعد اور بیگانگی رونما نہ ہوگی ورنہ ظاہر ہے کہ اصول کلیہ سے ہٹ کر یا انہیں بدل کر یہ تشکیل اسلامی فکر کی تشکیل نہ بن سکے گی۔ اگر ایک شخص سائنس کے فکر کو مرتب یا حل کرنے کے لئے فنِ طب کے اصول سے کام لینے لگے جن کا سائنس کے اصول مسلّمہ اور علوم متعارفہ سے کوئی تعلق نہ ہو، یا منطق و فلسفہ کی فکر کی تشکیل کے لئے صرف و نحو کے اصول سے کام لینے لگے تو وہ کبھی اس تشکیل میں کامیاب نہ ہو سکے گا، اس لئے سب سے پہلے اسلامی فکر کی تدوین و ترتیب میں اسلامی فکر کے اساسی اصول ہی کو سامنے رکھنا پڑے گا۔ تاکہ ہماری تشکیل سے وہ ذوق فوت نہ ہونے پائے جو ان اساسی اصول میں پیوست کیا گیا ہے اور انہی سے شریعت کے قواعد و مقاصد تک پہنچا ہوا ہے، یہ اصول و قواعد ہی درحقیقت منہاج نبوۃ کو اپنے اندر سمیٹے ہوتے ہیں جس کا اثر پورے قانون شریعت میں پھیلا ہوا ہے۔ اگر تشکیلِ جدید میں یہ قواعد و ضوابط نہ رہیں تو وہ اسلامی فکر کی تشکیل نہ ہوگی صرف دماغی فکر کی تشکیل بن جائے گی، البتہ ان قواعد کلیہ میں جو ضوابط عبادات اور عقائد کے بارے میں ہیں ان کی عملی جزئیات بھی شریعت نے خود معیّن کر دی ہیں اس لئے ان میں تغیر و تبدل یا کسی جدید تشکیل کا سوال پیدا نہیں ہو سکتا۔ البتہ معاملاتی معاشرتی اور سیاسی و اجتماعی امور میں چونکہ زمانے کے تغیرات سے نقشے ادلتے بدلتے ہیں اس لئے شریعت نے ان کے بارے میں کلیات زیادہ بیان کی ہیں اور ان کی جزئیات کی تشخیص کو وقت کے تقاضوں پر چھوڑ دیا ہے جن میں اصول و قواعد کے تحت توسعات ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے، البتہ ایسے تغیرات کو چونکہ قواعد کلیہ کے تحت رکھا گیا ہے اس لئے ان میں بہرحال فنی استخراج کی ضرورت پڑے گی جسے متبصر علماء کی بصیرت ہی حل کر سکے گی، جیسا کہ قرون ماضیہ میں کرتی رہی ہے۔ بس ایک مجتہد کو اجتہاد کی تو اجازت ہے ایجاد کی نہیں ہے کہ وہ اتباع کے دائرے سے باہر نکل سکے۔ خواہ یہ اتباع جزئیات کا ہو جبکہ وہ منصوص ہوں یا قواعد کلیہ کا ہو جب کہ اجتہادی ہوں جزئیات میں درحقیقت اتباع ان اصول اجتہاد ہی کا ہوتا ہے جس کے ذریعے یہ جزئیات باہر آتی ہیں، اس لئے اس تشکیل جدید کے موقع پر یہ کلیات و جزئیات سامنے رکھنی ناگزیر ہوں گی اور انہی کے دائرے میں رہ کر یہ جدید تشکیل و ترتیب عمل میں آسکے گی، نیز اگر اس تشکیل کا مقصد قومی تربیت ہے کہ افراد اس منہاج پر ڈھالے جائیں تو یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ تربیت اصول اور کلیات سے نہیں ہو سکتی جیسے علاج اصول طب اور معرفت خواص ادویہ سے نہیں ہو سکتا جب تک کہ مزاج کے جزوی احوال کو پہچان کر جزوی طور پر نسخہ نہ تجویز کیا جائے، یہی صورت شرعیات کی بھی ہے کہ اگر قومی معالجہ اور قومی اصلاح پیش نظر ہو تو وہ محض اصول کلیہ سے نہیں ہو سکتی بلکہ جزئیات عمل ہی سے ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن اصول کا عمل سے کوئی تعلق نہ ہو وہ محض ذہن کی زینت ہوں، عملی زندگی سے انہیں کوئی تعلق نہ ہو اور کوئی عملی پروگرام بھی ان کے پیچھے نہ ہو تو شریعت نے یہ پسند نہیں کیا کہ ان

میں زیادہ غور و خوض کیا جائے، مثلاً چاند کے گھٹنے بڑھنے کے بارے میں لوگوں نے سوال کیا تو قرآن نے اسلوب حکیم پہ جواب دیا کہ اس کے منافع سے فائدہ اٹھاؤ ان کے حقائق کے پیچھے مت پڑو۔

یسئلونک عن الاھلۃ قل ھی	آپ سے چاندوں کے حالات کی تحقیقات کرتے ہیں
مواقیت للناس والحج۔	آپ فرما دیجئے کہ وہ آلۂ شناخت اوقات ہیں لوگوں
...	کے لئے اور حج کے لئے۔

روح کے بارے میں سوال کیا تو فرما دیا گیا کہ تمہارا علم اتنا نہیں ہے کہ ان حقائق کو پہچان سکو تو کیوں اس ناقابلِ تحمل بات کے پیچھے پڑتے ہو۔ یہ حقائق یا خود ہی عملی ریاضت سے منکشف ہو جائیں گی یا اگر نہ ہوں تو قیامت میں تم سے ان کا کوئی سوال نہ ہوگا کہ نجات ان پر موقوف نہیں تھی۔

قل الروح من امر ربّی وما	آپ فرما دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے بنی ہے
اوتیتم من العلم الا قلیلا۔	اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

یا اس طرح قیامت کے وقت کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرما دیا گیا کہ تمہیں اس سے کیا تعلق تمہاری ترقی اور سعادت اس کے مقررہ وقت کے علم پر موقوف نہیں صرف اس کے آنے کے یقین اور عقیدے پر موقوف ہے۔

اور اس میں یہ جزوی تفصیلات شامل نہیں۔	یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا
یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ	وقوع کب ہوگا سو اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق
مُرْسٰهَا۔ فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا	اس (کے علم تعیین) کا مدار صرف آپ کے رب کی طرف
اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا۔	ہے۔

بہر حال قرآنی رہنمائی سے علم وہی مطلوب اور قابلِ تحصیل ہے جس سے عملی زندگی میں کوئی سدھار پیدا ہوتا ہو اور سعادۃ دارین حاصل ہوتی ہو حاصل یہ ہے کہ عملی زندگی محض اصول سے نہیں بنتی بلکہ جزئیات عمل ہی سے بنتی ہے جس کی بروقت تمرین اور ٹریننگ دی جائے اسی لئے کسی مربّی نفس یعنی ربانی کی تفسیر ابن عباس نے الذی یربّی الناس بصغار العلم ثم بکبارھا۔ سے کی ہے، یعنی ربانی وہ ہے جو ابتداءً چھوٹی چھوٹی جزئیات سے لوگوں کی تربیت کرے اس لئے قرآن حکیم نے تذکیر و مواعظ اور امر بالمعروف کے نظام کو اجتماعی طور پر مستحکم کیا اور اسے تمکین فی الارض (حکومت و سلطنت کی) بنیادی غرض و غایت ٹھہرایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس منہاج پر ہم اپنی فکر کی توانائی صرف کریں وہ جہاں اصولی ہو وہیں وہ جزئیات عمل سے بھی بھرپور ہو تاکہ علم اور عمل دونوں جمع ہوسکیں کہ اس کے بغیر ہمارا فکر اور اس کی تشکیل پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی۔

حاصل یہی ہوا کہ فکرِ اسلامی کی ترتیب کے وقت جیسے اسلامی بنیادوں کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ ایسے ہی

فقہ اور فقہی جزئیات کا سامنے رکھنا بھی ضروری ہے۔ البتہ مناسب اور آج کے دور کی نفسیات کو سامنے رکھ کر ان جزئیات میں ترجیح و انتخاب جدا بات ہے وہ اہل علم کا کام ہے، مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ اصول کا تعارف اور ان کی جامعیت و وسعت نیز ان کے اندرونی مضمرات کی وضاحت ان کی جزئیات کے بغیر ممکن نہیں، نظری اصول کتنے بھی معقول اور دلپذیر ہوں لیکن جب تک ان کی عملی مثالیں سامنے نہ ہوں، ان کا حقیقی مفہوم وانشگاف نہیں ہو سکتا، ان جزئیات عمل ہی سے اسلام کی مجموعی اور صحیح صورت و شکل سامنے آسکتی ہے۔ اس لئے فکرِ اسلامی کی تشکیل جدید میں جہاں ایک طرف مجموعۂ دین کے اساسی اصول اور ان کے نیچے ہر ہر باب کے قواعد کلیہ یا ضوابط تفقہ ناگزیر ہیں، وہیں دوسری طرف ان کے نیچے کی عملی جزئیات کا سامنے ہونا بھی لازمی ہے۔ ورنہ اصول کی وسعت و جامعیت کا کوئی اندازہ ہی نہیں ہو سکتا، اس سے ہی ان حوادث و واقعات پر بھی روشنی پڑ سکتی ہے جو ان جزئیات کے استخراج کا باعث بنے جبکہ فقہاء امت نے قواعد شرعیہ سامنے رکھ کر ان کے بعید سے بعید محتملات کے احکام بھی ان قواعد سے نکالے، ظاہر ہے کہ ہر دور کے حوادث میں نوعی طور پر یکسانی ہوتی ہے، گو حادثوں کی شکلیں حسب زمان و مکان کچھ جدا جدا بھی ہوں۔ اس لئے وہی جزئیات آج کے حوادث میں بھی بیکار ثابت نہیں ہو سکتیں اور کچھ نہیں تو آج کی جزئیات کو کم ازکم ان پر قیاس تو ضرور ہی کیا جا سکتا، بلکہ بہت ممکن ہے کہ فقہیات میں ایسی جزئیات بکثرت مل جائیں جو آج کے دور میں سابق دور کی طرح کار آمد ثابت ہوں اور حالات کا پورا مقابلہ کر سکیں۔

ضرورت اگر ہو گی تو باب وار تلاش و جستجو کی ہو گی بلکہ یہ جزئیات چونکہ فقیہانہ ذہنوں سے نکلی ہوئی ہیں اس لئے بہ نسبت ہماری استخراج کردہ جزئیات کے منہاج نبوت سے زیادہ قریب ہوں گی۔ اس لئے بجائے اس کے کہ ہم از سرِ نو قواعد کلیہ سے جزئیات کا استنباط کرنے کی مشقت میں پڑیں یہ زیادہ سہل ہو گا کہ استخراج شدہ جزئیات کی تلاش اور ترتیب میں وہ محنت و مشقت استعمال کریں پھر بھی اگر مفتی کو نئے استخراج ہی کی ضرورت داعی ہو تو یہ جزئیات سابقہ ہی اس کا راستہ بہتر طریق پر ہموار کر سکیں گی۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ جب یہ فقہی جزئیات کا ذخیرہ اصول سے جڑا ہوا سامنے آ جائے تو شاید ہمیں کسی نئے جزیہ کے استخراج کی ضرورت ہی نہ پیش آئے کیونکہ معلوم ہو چکا ہے کہ فقہاء امت نے اصول تفقہ اور قواعد شرعیہ کی روشنی میں بعید سے بعید محتملات تک کے احکام مستنبط کر کے جمع کر دیئے ہیں جس کے مجموعہ سے ایک مستقل فن بنام فقہ تیار ہو گیا جس میں ہر شعبۂ زندگی کی بیشمار جزئیات موجود ہیں اس لئے فکر کی تشکیل میں قواعد کلیہ کے ساتھ ان جزئیات کو سامنے رکھنا ازبس ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین نے کسی ایک چھوٹے سے چھوٹے دینی جزیہ کو بھی کسی مرعوبیت یا اقوام کے طعن و استہزا کی وجہ سے کبھی ترک کرنا گوارہ نہیں کیا حضرت سلمان فارسیؓ ایک بار بغداد (عراق) میں کھانا تناول فرما رہے تھے۔ ایک فارسی غلام کھانا کھلا رہا تھا کہ ان کے ہاتھ سے لقمہ چھوٹ کر زمین پر گر گیا۔ حضرت سلمانؓ نے اسے فوراً اٹھا کر اسکی گرد جھاڑی صاف کیا

اور تناول فرمالیا۔ غلام نے عرض کیا کہ یہ ملک متمدنوں دولت مندوں اور سیر چشموں کا ہے وہ اس حرکت کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھیں گے۔ فرمایا: اترك سنة حبيبي لهولاء الحمقاء۔ (کیا میں اپنے حبیب پاک کی سنت ان احمقوں کی وجہ سے ترک کر دوں۔؟) غور کیا جائے کہ ایک طرف تو دین کے ایک ایک جزیہ کی پابندی اور دوسری طرف ملکوں کی فتوحات خلافت کی توسیع اور تسخیر اقالیم اور اس کے ساتھ متکبّروں کا تمسخر وطعن، لیکن جو نشہ ان پاک ارواح میں فیضان نبوّت سے پیوست تھا وہ اس قسم کے عوارض سے کبھی ٹس سے مس نہ ہوتا تھا۔ آخر صحابہؓ سے زیادہ کون سنن دین کی جزدی جزدی پابندی میں پیش قدم تھا، مگر ان سے زیادہ پھر کون اسلامی فتوحات میں تیز قدم تھا، جس سے ایک طرف تو یہ واضح ہے کہ وقتی احوال و حوادث کے پیش نظر توسع اور ہمہ گیری کے معنی ذہنی ڈھیلے پن کے نہیں کہ قوموں کی رضا جوئی یا مجبوری یا آجکل کی اصلاحی رواداری کے تحت اسلامی جزئیات میں مداہنت کی جاسکے، بلکہ یہ معنی ہیں کہ اسلام نے اصول اس درجہ وسیع اور لچک دار رکھے ہیں کہ حوادث ان سے باہر نہیں جاسکتے جس کے معنی یہ ہیں کہ دین اپنے خاص مزاج اور اساسی پالیسی کے تحت نہ حوادث میں کبھی تہی دامن ثابت ہوا اور نہ اس نے کہیں اپنے اندر خلا محسوس کر کے سپر ڈالی۔

دوسری یہ بات بھی اس واقعے سے اور اس جیسے ہزاروں واقعات سے نمایاں ہے کہ اسلام روکھی اور سطحی قسم کا کوئی رسمی قانون نہیں بلکہ دین ہے جس کی اساس کا بنیادی عنصر عشق و محبت ہے، جو ذاتِ حق ذاتِ نبوی اور ذواتِ صحابہؓ سے وابستہ ہے اس لئے ایک سچا عاشق اپنے محبوب کی کسی ادا کو ایک آن کیلئے بھی نظر انداز نہیں کر سکتا جیسا کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے یہاں "حبیبی" کا لفظ استعمال فرما کر اس محبت کیطرف اشارہ فرما دیا ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ اگر کسی جزیہ کے ترک کرنے میں کوئی قانونی گنجائش بھی نکلتی ہو تو قانون عشق میں ایسی گنجائش کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے اسلامی مزاج میں یہ عشقی کیفیات بھی اسی طرح گھلی ہوئی ہیں جیسے پانی میں شکر گھل جاتی ہے، جو ایک راسخ العقیدہ مسلم کو ہر ہر جزیہ کا پابند کئے رہتی ہیں اور اس سے ایک انچ بھی نہیں ٹل سکتا، اس لئے تشکیل نو کے وقت اسلام کی اس خصوصیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا لیکن اس انتہائی پابندی اور قید و بند کے ساتھ ہی آزادی ضمیر اور حریت رائے بھی پوری فراخی کے ساتھ اسلام نے قوم کو بخشی ہے کہ ایک عامی سے عامی آدمی بھی اس قانونِ حق کے معیار سے مسلمانوں کے بڑے بڑے سربراہ پر روک ٹوک عائد کر سکتا ہے اور ایسے عوام کی تنقید کو ماننے سے چارۂ کار نہیں ہوتا، اس کے لئے سب سے بڑی نظیر نماز کی جماعت ہے جس کا نام امامتِ صغریٰ ہے۔ جو کلیۃً امامت کبریٰ یعنی امامت و خلافت پر منطبق ہے۔ وہاں اگر امام اور امیر ہے تو یہاں بھی امام ہے۔ وہاں اگر جہاد میں ہر نقل و حرکت پر نعرۂ تکبیر ہے تو یہاں بھی ہے وہاں اگر امام کے حق میں سمع و طاعت فرض ہے تو یہاں بھی ہے۔ وہاں اگر مجاہدین کی صفیں مرتب اور سیدھی ہونی ضروری ہیں

تو یہاں بھی یہی ہے وہاں اگر میمنہ اور میسرہ ہے تو یہاں بھی ہے۔ وہاں اگر صفوف میں شگاف آجانا ناکامی کی علامت ہے تو یہاں بھی ہے وغیرہ وغیرہ اس لئے امامت صغریٰ (جماعت صلوٰۃ) کے جو طور وطریق رکھے گئے ہیں وہی نوعی طور پر امامت کبریٰ اور اسٹیٹ میں بھی ہیں اس میں صورت حال کے تحت دیکھا جائے تو نماز کے مقتدی اس سے ذرا بھی منحرف ہو تو اسکی نماز ہی صحیح نہیں ہو سکتی، چنانچہ اس مسجد کی امارت اور اسٹیٹ میں مقتدیوں پر فرض ہے کہ جب امام نیت باندھے تو مقتدی بھی ساتھ ساتھ نیت کرکے ہاتھ باندھیں، وہ قیام میں ہو تو یہ بھی قیام کریں، وہ رکوع کرے تو یہ بھی رکوع کریں، وہ قومہ میں جائے تو یہ بھی سربسجود ہو جائیں، وہ ولاالضالین کہے تو یہ آمین کہیں، حتیٰ کہ اگر امام سے سہواً کوئی جزوی غلطی بھی سرزد ہو جائے اور وہ سجدۂ سہو کرے تو مقتدی بھی اسکی اس فکری خطا میں ساتھ دیں اور سجدۂ سہو کریں۔ لیکن حریت و آزادی یہ ہے کہ اگر امام قرأت یا افعال صلوٰۃ میں کوئی ادنیٰ سی بھی غلطی کر جائے تو ہر مقتدی کو نہ صرف ٹوک دینے کا حق ہے بلکہ مقتدی اس وقت تک امام کو چلنے نہیں دے سکتے جب تک وہ اپنی غلطی کی اصلاح نہ کرے یا قرأت صحیح نہ کرے یا کسی رکن میں غلطی ہو جائے اور اسے درست نہ کرے، چنانچہ امام کی غلطی پر ہر ایک مقتدی پیچھے سے تکبیر و تسبیح کی آوازوں سے اس طرح متنبہ کرتا ہے اور کرنے کا حق رکھتا ہے کہ امام غلطی کی اصلاح پر مجبور ہو جائے، بعینہ یہی صورت امامۂ کبریٰ یعنی اسٹیٹ اور ریاست کی بھی ہے کہ امیر المومنین کی سمع و طاعت تو ہر معاملے میں واجب ہے ورنہ تعزیر و سزا کا مستحق ہوگا، لیکن ساتھ ہی خود امیر کی کسی خطا و لغزش پر ایک عامی سے عامی آدمی بھی بلا روک ٹوک کرنے کا حق رکھتا ہے، جب تک کہ امیر اس فعل کی اصلاح نہ کرے یا اس کا کوئی عذر سامنے نہ رکھے،

فاروق اعظم پر ایک اعرابی نے اس وقت اعتراض کیا جب کہ وہ بحیثیت امیر المومنین ممبر پر کھڑے ہو کر خطبے میں اعلان فرما رہے تھے کہ لوگو! امیر کی بات سنو اور اطاعت کرو۔ اعرابی نے کہا کہ ہم نہ بات سنیں گے نہ اطاعت کریں گے۔ فرمایا کیوں؟ کہا مال غنیمت میں آپ کا حصہ عام لوگوں کی طرح صرف ایک چادر تھی، حالانکہ آپ کے بدن پر اس وقت دو چادریں پڑی ہوئی ہیں فرمایا کہ اس کا جواب میرا بیٹا (عبداللہ ابن عمر) دے گا۔ صاحبزادہ نے فرمایا کہ امیر المومنین کا قد لانبا تھا ایک چادر کافی نہ تھی اس لئے میں نے اپنی چادر پیش کر دی، وہی ان کے بدن پر ہے جو انہوں نے آج استعمال کی ہے۔ تب اعرابی نے کہا کہ اب ہم بات سنیں گے بھی اور اطاعت بھی کریں گے، بہرحال منہاج نبوت کے مزاج کی رو سے عمل میں تو یہ تقید اور پابندی ہے کہ اس کے کسی کلیہ جزئیہ میں ڈھیلا پن گوارا نہیں کیا گیا حتیٰ کہ ایک عامی آدمی کو بھی امیر المومنین تک پر کسی محسوس قسم کی فروگذاشت کے بارے میں اعتراض کا حق دیا گیا، لیکن حریت رائے اور اصول کے تحت آزادی بھی انتہائی ہے جو حقیقی قسم کی جمہوریت کی پردہ دار ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اصول و قوانین کی یہ پابندی اور ان میں زندگی کو مقید کر دینا کوئی قید و بند نہیں جو ذہنوں پر شاق ہو، جبکہ ان ہی اصولوں کی

پابندی سے اسلام اور اسلامی قوم عالمگیر بنی۔ آخر جب ہم اسلام کے حق میں ایک عالمگیر دین کے مدعی ہیں تو اس کی ہمہ گیری کے معنی ان کے انہی اصولوں کی ہمہ گیری کے تو ہیں، اگر وہ تنگ اور جامد ہوتے تو اسلام عالمگیر تو کیا عرب گیر بھی نہ ہو سکتا۔ لیکن جب انہی اصول پر صدیوں ہمہ گیر حکومتیں بھی چلیں اور انہی اصول سے ترتیب پاکر قوم میں عظیم عظیم شخصیتیں بھی ابھریں جنہوں نے مشرق و مغرب کو روشنی دکھائی، اور ظلمتوں کی تنگ نائیوں میں پھنسی ہوئی قوموں، نسلوں اور وطنوں کو ان کی مصنوعی حد بندیوں سے نکال کر انسانیت کے وسیع میدانوں میں پہنچایا تو کیا یہ اصول کی تنگیوں سے ممکن تھا اس لئے فطری اصول کی تنگیوں سے ممکن تھا۔ اس لئے فطری اصول اور فطرت کی پابندی کو قید و بند اور تنگی سمجھا جانا ذہنوں کی تنگی کی علامت ہو سکتا ہے۔ فطرت کی تنگی نہیں کہلایا جا سکتا۔ بالخصوص جبکہ ان اصولوں کی وسعتوں میں ایسی گنجائشیں بھی رکھی گئی ہے کہ ان سے ہر دور کے مفکر اور اہل علم و فضل نے استخراج مسائل کی حد تک بھی کام لیا ہے۔ اور آج بھی لے سکتے ہیں جن میں ہر دور کے حوادث کے لئے ہدایت کا سامان موجود ہے، اس لئے تمدن و معاشرت کی مشخص عملی جزئیات اور سنن زائدہ پر اس قانون فطرت نے زیادہ زور نہیں دیا بلکہ اس کو وقت اور زمانے کے حوالے کر دیا ہے۔ ہر زمانے میں جو نئی نئی صورتیں بدلتی رہتی ہیں انہیں اہل علم ان کے اصول سے وابستہ کر کے ان کے احکام نکال سکتے ہیں، جیسا کہ مفکران بابِ فتوٰی کا اسوہ اس بارے میں سامنے ہے بالخصوص مسائل کے طرزِ استدلال کے بارے میں تو خاص طور پر ہر قرن جدید کے رنگ جمانا اور دین کے بارے میں محض نقل و روایت لوگوں کے لئے تسلی بخش نہ رہی جب تک وہ عقلی چوسے میں نہ آئے تو رازی و غزالی جیسے حکمائے ملت نے دین کو فلسفیانہ انداز میں پیش کر کے لوگوں پر حجۃ تمام کی۔ ایک دور میں تصوف اور حقائق پسندی کا غلبہ ہوا تو ابن عربی وغیرہ نے صوفیانہ اور عارفانہ انداز سے اسلام کو نمایاں کیا۔ ایک دور معاشی فلسفہ کا زور ہوا تو شاہ ولی اللہ جیسے حکیم امت نے نظری و معاشی رنگ کے فلسفیانہ دلائل سے اسلام کو سمجھایا، اور وقت کے مسائل حل کئے۔ ایک دور سائینسی اور مشاہداتی فلسفے کا آیا تو بانی دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ جیسے محقق اور عارف باللہ نے اسلامی عقائد و اصول کو مشاہداتی رنگ میں حسی شواہد و نظائر پیش کر کے اتمام حجت فرما دیا۔ جس سے ایک طرف اسلام کی ہمہ گیری اور جامعیت واضح ہوئی تو دوسری طرف اس کا توسع کھلا اور اس کے رنگِ استدلال کی یہ لچک بھی واضح ہوئی کہ اس کے حقائق پر ہمہ نوع دلائل کا لباس سج جاتا ہے اور حقیقت بدستور حقیقت رہتی ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ خود اس میں یہ سارے الوان اور سارے نہج موجود ہیں جس سے ہر رنگ کا لباس زیب زدہ ثابت ہو جاتا ہے جو در حقیقت خود اس کا رنگ ہوتا ہے۔ البتہ حالات اور وقت کے تقاضے صرف اجاگر کر دیتے ہیں، آج کا دور سیاسی اور معاشی اور مختلف نظریات کی سیاستوں اور معاشی فلسفوں کے غلبہ کا ہے مذہب بن رہے ہیں تو سیاسی معاشی پارٹیاں بن رہی ہیں تو سیاسی مسائل پیدا ہو رہے ہیں تو سیاسی اور معاشی ان حالات میں جب تک کسی دینی مسئلے کو سیاسی چاشنی کیساتھ پیش نہ کیا جائے

عوام کے لئے قابلِ التفات نہیں ہوتا اس لئے ضرورت ہے کہ ان مسائل کو حل کرنے کے لئے اسلام کو سیاسی اور معاشی رنگ کے دلائل سے پیش کیا جائے یہ سیاسی رنگ اسلام کے حق میں کوئی بیرونی رنگ نہ ہوگا۔ بلکہ اسی کے اندر کا ہوگا، حالات محرک ہوں گے اور ان کے فطری اور طبعی قسم کے معاشی اور سیاسی پہلو اس تحریک سے نمایاں ہو کر اسلام ہی کی سیاست و اجتماعیت کے اصول و قوانین نہ ہوتے تو صدیوں تک اسکی وہ مثالی حکومتیں دنیا میں نہ چل سکتیں جنہوں نے دین و دیانت کے غلبے کے ساتھ سیاسی حکمرانی کے فرائض بھی انجام دیئے، اور آج بھی مسلم حکمرانوں کی بود و نمود اسی دور کی مستحکم فرمانروائیوں کے ثمرات ہیں جن میں کتاب و سنت اور فقہ فی الدین کے انوار شامل تھے، البتہ آج کے غالب یا مغلوب مسلمانوں کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے موجودہ دور کی حکومتوں کے نظریات تو اختیار کر لئے لیکن ان کے عملی کارناموں سے کوئی سبق نہیں لیا، اگر قوم اپنے نظریات قائم رکھ کر آج کے عملی میدانوں میں دوڑتی تو آج بھی وہ ایسی ہی مثالی قوت و شوکت دکھلا سکتی تھی جو اب سے پہلے دکھلا چکی ہے اور دنیا اسی کی تقلید پر مجبور ہوتی، نہ کہ قصہ برعکس ہو جاتا۔ ■

ریاض کی اسلامی جغرافیائی کانفرنس

رپورٹ نگار جناب مولانا بدرالحسن قاسمی صاحب دارالعلوم دیوبند کے شہرۂ آفاق عربی جریدہ الداعی کے فاضل مدیر ہیں، آپ نے کانفرنس میں دارالعلوم دیوبند کے نمائندہ کی حیثیت سے شمولیت کی اور مسئلہ فلسطین پر ایک پُر مغز مقالہ بھی پڑھا۔　　(ادارہ)

سعودی عرب کے پایۂ تخت ریاض میں ۲۰ تا ۲۶ جنوری ۱۹۷۹ء کو منعقد ہونے والی عالمی جغرافیائی کانفرنس اپنی نوعیت کی پہلی اہم علمی کانفرنس تھی، جس میں دنیا کے تیس ۳۰ ملکوں کے تقریباً دو سو مسلم علماء دمفکرین اور جغرافیہ و اقتصاد کے ماہرین نے شرکت کی اور پورے ہفتہ کانفرنس کی کاروائی جاری رہی۔

کانفرنس کا انتظام ریاض کی امام محمد بن سعود یونیورسٹی کی فیکلٹی آف سوشل سائنس کی جانب سے کیا گیا تھا اور جسے خود سعودی عرب کے ولی عہد معظم امیر فہد بن عبدالعزیز کی سرپرستی اور ریاض کے گورنر امیر سلمان بن عبدالعزیز کی رہنمائی حاصل تھی اور جس میں کانفرنس کے عام پروگرام کے علاوہ کتابوں اور نقشوں کی دو ۲ اہم نمائشوں کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ اور اس میں شک نہیں کہ کانفرنس اپنی انتظامی خصوصیات، جاتے وقوع اور پروگرام کی جامعیت اور افادیت کے لحاظ سے سعودی عرب کی ہمہ جہت علمی و دینی سرگرمیوں کا ایک حصہ اور جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ کی روز افزوں ترقی کی مکمل آئینہ دار تھی۔

شرکائے کانفرنس کو عمرہ کی سعادت اور مدینہ طیبہ کی حاضری کی دولت سے بھی بہرہ ور کیا گیا۔ جو بجائے خود بڑی اہمیت کی حامل اور ہر مومن کا تقاضائے ایمان اور منتہائے آرزو ہے۔

مندوبین کے قیام کا نظم فندق الریاض انٹر کونٹینینٹال میں کیا گیا تھا۔ اور ہوٹل ہی سے ملحق قاعۃ الملک فیصل جو کانفرنسوں اور اجتماعات کے لئے نہایت عمدہ اور ترجمہ کی مشینی سہولتوں سے آراستہ اور نہایت ہی موزوں ہال ہے۔ اس کا انتخاب کیا گیا تھا۔ ہوٹل کے کمرے بھی بڑے آرام دہ اور کھانے کا نظم بھی نہایت اعلیٰ اور پُر تکلف تھا۔

ہندوستان سے اس کانفرنس میں شرکت کے لئے چار نمائندے مدعو کئے گئے تھے جن میں دارالعلوم دیوبند

کی طرف سے احقر، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کیطرف سے پروفیسر محمد شفیع صاحب پرو وائس چانسلر اور جمشید پور کالج سے شمیم احمد مدنی صاحب شامل ہیں اور پاکستانی مندوبین میں پشاور یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب اسمٰعیل سیٹھی صاحب اور کچھ دوسرے احباب تھے۔

کانفرنس کی مجلس منتظمہ کے سربراہ اور فیکلٹی آف سوشل سائنس کے پرنسپل شیخ محمد عبداللہ عرفہ نے اپنے تفصیلی برقیہ میں کانفرنس کے انعقاد سے دو روز پہلے ہی ریاض پہنچنے کی ہدایت کی تھی اس لئے ۱۸ ر جنوری کی صبح کو ہم لوگ ریاض میں تھے۔ ایر پورٹ پر جامعہ کے اساتذہ اور رضاکاروں کا ایک وفد استقبال کے لئے موجود تھا جن میں شیخ محمد عرفہ کے نائب اور جامعہ محمد بن سعود کے استاذ شیخ عبدالعزیز اللہیلم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ صدر مجلس استقبالیہ بھی وہی تھے۔ ائر پورٹ سے سیدھے ہوٹل لایا گیا اور قیام کا نظم کر دیا گیا وہاں پہنچنے کے ساتھ ہی یہ احساس ہوا کہ مجلس منتظمہ کی چھ ذیلی کمیٹیاں اپنے فرائض کی ادائیگی میں نہایت تندہی سے مصروف ہیں۔ مہمانوں کی راحت رسانی کا پورا پورا خیال رکھا جا رہا ہے۔ اور کانفرنس کو زیادہ سے زیادہ کامیاب بنانے کے لئے بڑی سرگرمی کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔

پہنچنے کے ساتھ ہی شناختی کارڈ اور کانفرنس سے متعلق شائع شدہ لٹریچر فراہم کر دیا گیا جس میں کانفرنس کے اغراض و مقاصد اور اس کے تفصیلی پروگرام پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ ایک کتابچے میں تمام شرکاء کانفرنس کا عربی اور انگریزی میں تفصیلی تعارف تھا۔ اور دوسرے میں کانفرنس کا ابتدائی تخیل اور اس کے بروئے عمل آنے کی پوری تفصیل تھی۔

میرے ساتھ الداعی کا تازہ شمارہ تھا جس میں کانفرنس کا خیر مقدم کیا گیا تھا۔ چنانچہ اللجنة الاعلامية نے اسے بڑی اہمیت دی۔ اور اس کے متعدد نسخے اپنی فائل کے لئے منگوائے۔ اسی دن شام کے وقت کانفرنسوں کی روایت کے مطابق ایک خوبصورت بیگ میں جو کانفرنسوں کے مونوگرام سے مزین ہے وہ کتابیں پیش کی گئیں، جو کانفرنس کے موقع پر مجلس منتظمہ نے تیار کرائی تھیں ان میں دو کتابیں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

۱۔ البلدان الاسلامية۔ ۲۔ وصف افریقیا۔

پہلی کتاب تین بلند پایہ محققین نے ملکر تیار کی ہے جس میں عالم اسلام کا مفصل تعارف وہاں کے جغرافیائی اور اقتصادی حالات اور مسلم اقلیت سے متعلق معلومات پیش کی گئی ہیں مختلف نقشوں سے بھی مزین ہے۔ اور ایک دستاویزی حیثیت کی حامل ہے، البتہ مسلم اقلیت والے حصے میں بعض معمولی فروگذاشتیں ہیں جنکی طرف میں نے توجہ دلائی تھی چنانچہ ڈاکٹر محمود شاکر جنہوں نے وہ حصہ لکھا ہے، انہیں دور کر دینے کا وعدہ کیا۔ کتاب کئی سو صفحات پر مشتمل اور ستر سے زائد عالم اسلام کے نقشوں سے آراستہ ہے۔

اور دوسری کتاب درحقیقت ایک عزناطی سیاح حسن بن وزان کا طویل و مفصل سفرنامہ ہے جنکی زندگی خود ایک مرقع عبرت و بصیرت ہے جنہیں مدت تک بجبر نصرانی بنے رہنے پر مجبور کیا گیا تھا، پھر وہ آزاد ہوئے اور اپنے دین اسلام پر عمل پیرا ہونے کا انہیں موقع ملا انہوں نے ۱۷ رسال کی عمر میں اپنا سفر شروع کیا تھا۔
سفرنامہ ایطالین زبان میں قلمبند کیا تھا جسکا یورپ کی متعدد علمی زبانوں میں ترجمہ ہوچکا ہے، تقریباً تین صدی تک ان کے اس سفرنامہ کو افریقہ کے بارے میں معلومات کے لئے اہم مرجع کی حیثیت حاصل رہی۔ عربی میں اس کا شائع ہونا نہایت ضروری تھا۔

ان کتابوں کے علاوہ ۱۸ جلدیں ان مقالات کی پیش کی گئیں جو شرکاء کانفرنس نے تیار کئے تھے اور جن پر کانفرنس کا دار و مدار تھا۔ میرا مقالہ جس کا موضوع "قضية فلسطين وابعادها السياسية والجغرافية" تھا، لجنة الجغرافيه السياسية ۔ سے متعلق مقالات کی پہلی جلد میں شامل تھا۔

ان مقالات کو پہلے دن پیش کر دینے کا مقصد یہ تھا کہ شرکاء کانفرنس پوری بصیرت کے ساتھ کانفرنس کے اجلاس میں شرکت کریں اور بحث مباحثہ میں دلچسپی کے ساتھ حصہ لیں، الغرض ۱۸ ، ۱۹ ر تاریخ کو آرام و راحت اور ریاض شہر کی سیر کے لئے مخصوص رکھا گیا۔ جمعہ کی نماز جامعہ ملک عبدالعزیز میں ادا کرائی گئی جو نہایت پرشوکت اور عالیشان مسجد ہے۔

۲۰ر جنوری کی شام کو کانفرنس کا افتتاحی پروگرام تھا پروگرام کا آغاز تلاوت قرآن سے ہوا ریاض کے گورنر بذات خود تو تشریف نہ لاسکے البتہ ان کے نائب امیر سطام بن عبدالعزیز نے اپنے افتتاحی خطبہ سے کانفرنس کا آغاز کیا جس میں جغرافیہ میں مسلمانوں کے کارناموں کی اہمیت اور کانفرنس کے بلند تر مقاصد پر روشنی ڈالی گئی تھی، امیر کے افتتاحی خطبہ کے بعد جامعہ الامام کے مدیر شیخ عبداللہ ترکی اور کانفرنس کی مجلس منتظمہ کے سربراہ شیخ محمد عرفہ کے مختصر بیانات ہوئے جن میں امیر معظم کا شکریہ ادا کیا گیا اور مہمانوں کا خیر مقدم کیا گیا ایک دوسری نشست میں شیخ عبداللہ ترکی کو مؤتمر کا باقاعدہ صدر چنا گیا۔ اور ان کے لئے دو معاون منتخب کئے گئے۔

اگلے دن ۲۱ر جنوری سے باقاعدہ کانفرنس کی کاروائی شروع ہوئی، شرکاء کانفرنس کے مقالات جنکی تعداد ایک سو چار تھی اور جو اٹھارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل تھے، ان کے موضوعات کے لحاظ سے مختلف کمیٹیاں بنادی گئی تھیں اور کانفرنس کی کاروائی اپنے مقررہ پروگرام کے مطابق نہایت متانت و وقار اور علمی سنجیدگی کے ساتھ جاری رہی۔ بحث و مناقشہ کے دوران کہیں بھی تہذیب و شائستگی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا اور ہر شخص کو اپنے موضوع کے ساتھ اتنا انہماک اور اس درجہ دلچسپی رہی کہ کسی اور طرف توجہ کرنے کا موقعہ ہی نہیں تھا۔

۲۱ر جنوری کی شام کو ہم سب کو ولی عہد معظم امیر فہد بن عبدالعزیز سے ملاقات کے لئے قصر المعبر میں لے جایا

گیا تھوڑے وقفہ کے بعد امیر محترم اپنے عام لباس میں نمودار ہوئے سب نے فرداً فرداً مصافحہ کیا۔ نہایت گرمجوشی سے کیا اور سب کے ساتھ بیٹھ گئے، عربی قہوہ سے ہم لوگوں کی تواضع کی گئی چند منٹ امیر معظم کے اسلامی عقیدہ کی اہمیت پر روشنی ڈالی پھر شرکاء کانفرنس کی طرف سے نمائندگی کرتے ہوئے ایک مصری مندوب نے امیر معظم کا شکریہ ادا کیا اتنے میں اذان ہوئی اور ہم سب رخصت ہو گئے۔

کانفرنس کے ایام میں عالم اسلام کی جغرافیائی، عمرانی اور اقتصادی مشکلات پر تفصیل سے بحث ہوئی مسلم جغرافیہ نویسوں کے کارناموں کا جائزہ لیا گیا۔ جغرافیہ سے متعلق نوادر اور مخطوطات کی نشاندہی کی گئی ان کے شائع ہونے اور ایڈیٹ کئے جانے پر زور دیا گیا ان نقشوں کا جائزہ لیا گیا جو مسلم جغرافیہ نویسوں نے مختلف عہد میں تیار کئے ہیں اور ان کے علاوہ مسلم اقلیت کو درپیش مسائل، حج کی مشکلات اور سینکڑوں دوسرے موضوعات زیر بحث آئے۔ اس لحاظ سے کانفرنس بڑے دور رس اور مفید اثرات کی حامل رہی۔ میں نے اپنا مقالہ ۲۲ جنوری کی نشست میں پیش کیا۔ صدر اجلاس جامعۃ الامام کے استاذ اور مشہور محقق ڈاکٹر اسعد سلیمان عبدہ تھے احقر کے علاوہ ڈاکٹر محمود علی الغزاۃ اور لیبیا کے ڈاکٹر فوزی الاسدی نے بھی مسئلہ فلسطین پر اپنے اپنے مقالات پیش کئے اس کے بعد بحث و مناقشہ کا سلسلہ شروع ہوا ڈاکٹر فوزی الاسدی نے چونکہ اپنے مقالہ میں مسئلہ فلسطین کو ایک خالص اقتصادی مسئلہ کی حیثیت سے پیش کیا تھا جس کی نہ تو کوئی دینی اہمیت رہ جاتی ہے۔ اور نہ سیاسی، اس لئے اس پر ہم لوگوں نے خوب خوب تنقیدیں کیں مثال کے طور پر مشہور امریکی سرمایہ دار روچیلڈ اور اس کے خاندان نے صیہونیت کے فروغ میں جو حصہ لیا تھا اس کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ صرف تجارتی اغراض اور مالی منافع کے حصول کے خاطر تھا اس میں کوئی دینی یا نسلی جذبہ کارفرما نہ تھا۔ تاریخی واقعات و شواہد کے قطعی خلاف ہے اس لئے ان کے مقالہ کے بعد میں نے عرض کیا کہ روچیلڈ اور اس کا پورا خاندان صیہونیت کا حامی صیہونی تحریک کے مؤسس اعظم ہرتزل کے اکسانے پر ہوا تھا اور ہرتزل کے بارے میں دو رائے نہیں ہو سکتی کہ اس نے خالص دینی اور نسلی امتیاز کے جذبہ سے صیہونی تحریک برپا کرنے کی کوشش کی تھی اور پہلی صیہونی کانفرنس کے بعد ہی اس نے اپنی تبلیغی مہم کے ذریعہ روچیلڈ کو صیہونی تحریک کی پشت پناہی اور مالی استحکام باہم پہنچانے پر آمادہ کیا تھا اس لئے یہ بات مطلق قرینۂ قیاس نہیں ہے کہ اس کے اور اسطرح کے دوسرے حاملین کے ذہن میں دینی جذبہ کارفرما نہ ہو۔

بالآخر ڈاکٹر صاحب موصوف نے بڑی فراخ حوصلگی سے یہ اعتراف کیا کہ چونکہ وہ اقتصادیات کے پروفیسر ہیں اس لئے انہوں نے غیر شعوری طور پر مسئلہ کا ایک ہی پہلو سامنے رکھا میرے مقالہ پر مناقشہ میں جامعۃ الریاض کے استاذ ڈاکٹر محمود خلیلی اور عمان یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر حسن عبدالقادر صالح نے حصہ لیا اور جوابات سے کافی خوش ہوئے خود صدر اجلاس نے بھی مبارکباد دی یہ محض اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل وکرم تھا۔

۲۵ جنوری تک مقالات اور ان پر بحث و مناقشہ کا سلسلہ جاری رہا اسی دوران ایک افسوسناک واقعہ یہ رونما ہوا کہ استاذ محمود عابدی جنکا مقالہ بھی مسئلہ فلسطین ہی سے متعلق تھا اور خاص طور پر انہیں ان مقالات کے عربی اور اصلی ناموں پر بڑا عبور تھا جن میں اسرائیل کی حکومت ایک خاص اسکیم کے تحت بدل رہی ہے انہوں نے اپنا مقالہ تو بھیج دیا تھا لیکن مقالہ پڑھنے سے پیشتر ہی اللہ کو پیارے ہوگئے، ان کا مقالہ ڈاکٹر محمود علی الفراء نے پڑھا اور اس پر بھی اسی طرح بحث و مناقشہ ہوا جسطرح اور مقالات پر یہ سلسلہ جاری تھا۔

۲۶ جنوری کی نشست ان تجاویز پر غور کرنے کیلئے رکھی گئی تھی جو مختلف ذیلی کمیٹیوں میں پیش کردہ تجاویز کی روشنی میں مرکزی ریزولیشن کمیٹی نے مرتب کی تھی۔

تجاویز بڑی اہم اور جامع ہیں ان پر تفصیل سے روشنی ڈالنے کے لئے کافی فرصت درکار ہے، یوں سمجھنا چاہئے کہ ہفتہ بھر میں شرکاء اجلاس نے جو مقالات پیش کئے اور جو بحث و مناقشات ہوئے ان سب کا حاصل تجاویز میں سمیٹنے کی کوشش کی گئی تھی۔

کانفرنس کے ایام میں ہی بعض دوسرے پروگرام بھی ہوتے رہے۔" عمادۃ شئون المکتبات "نے" فندق زہرۃ الشرق" میں اور کلیۃ العلوم الاجتماعیہ کی جانب سے نادی الفروسیہ میں اور مدیر جامعہ کیطرف سے نادی البیضاء میں نہایت اعلیٰ اور پرتکلف لنچ اور ڈنر کے انتظامات کئے گئے تھے۔ کتابوں کی نمائش تو اہم تھی ہی لیکن نقشوں کی نمائش کا جواب نہیں کانفرنس کا مونوگرام بھی بڑا اہم ہے اس کا خاکہ ڈاکٹر مقولی مصری نے پیش کیا تھا اس پر ایک نہایت مناسب حال آیت قل انظروا ماذا فی السمٰوٰت والارض۔ لکھی ہوئی ہے۔

آخری دن کی آخری نشست تجویز کی دوبارہ خواندگی اور کانفرنس کے اختتام کے اعلان کے لئے تھی صدر کانفرنس نے شکریہ ادا کیا اور اسی پر کانفرنس کا اختتام ہوا شیخ محمد عرفہ نے بھی مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ اگلے دن علی الصباح ناشتہ کے ساتھ ہی احرام کے کپڑے تقسیم کردئے گئے تھے۔ جامۂ احرام میں ملبوس ہوکر ہم سب خصوصی ہوائی جہاز میں سوار ہوگئے۔ جدّہ ایرپورٹ سے مکہ مکرمہ کیلئے بسوں کا نظم تھا۔ عمرہ کے ارکان کی ادائیگی کے ساتھ جمعہ کی نماز بھی حرم میں اداکرنے کی توفیق ہوئی۔

فندق مکہ انٹر کونٹیننٹال میں دن کے کھانے کا نظم تھا کھانے سے فارغ ہوکر پھر جدّہ کیلئے اور وہاں سے بذریعہ خصوصی طیارہ مدینہ طیبہ کیلئے روانہ ہوگئے ایرپورٹ پر مدینہ یونیورسٹی کے اساتذہ کے علاوہ وائس چانسلر شیخ عبدالمحسن بن العباد اور المعہد العلمی کے مدیر شیخ حمید ابراہیم الحارثی اور دوسرے حضرات موجود تھے وہاں سے مختصر سے توقف کے بعد حرم نبوی پہنچایا گیا، روضۂ اطہر پر حاضری ہوتی نماز عشاء بھی قربان اداکی گئی نماز سے فراغت کے بعد حرم سے قریب ہی" فندق التیسیر" میں جامعہ اسلامیہ مدینہ کیطرف سے ڈنر کا نظم تھا۔ بعدازاں تمام مندوبین کو ریاض واپس لایا گیا، اور علی الصباح رخصت کردیا گیا۔

■■

از شیخ مصطفیٰ السباعی مرحوم - دمشق شام

اولاد کی تعلیم و تربیت کا مسئلہ

ہماری اجتماعی پیچیدگیوں میں سب سے بڑی پیچیدگی اولاد کی تربیت کے معاملے میں پیش آتی ہے۔ مدرسہ اور معاشرے سے سابقہ پڑنے سے پہلے گھر کی اور خاندان کی تربیت کا مرحلہ ہوتا ہے

والدین کی ذمہ داری اولاد صراطِ مستقیم پر چلنے کے معاملے میں والدین کی رہینِ منّت ہوتی ہے۔ یعنی اگر اولاد بہترین کردار سے آراستہ ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ والدین نے اس پر توجہ دے کر اسے اپنے احسانات کا ممنون بنا دیا ہے اسی طرح اولاد کی غلط روی اور بدکرداری کی ذمہ داری بھی والدین ہی پر ہوگی۔

اسلام کے معجزات میں سے یہ بھی ایک بڑا اور اہم معجزہ ہے کہ اس نے فنِ تربیت کے بارے میں آج سے چودہ سو برس پہلے ایک ایسی حقیقت کا اعلان کیا ہے جو اس سے پہلے کسی دانشور کو نہ سوجھی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے اور اس کے والدین اسے یہودی یا مجوسی بنا ڈالتے ہیں" (طبرانی بیہقی)

اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بچے کی ذہنی، اخلاقی اور اجتماعی میلانات سب سے پہلے اس کے والدین ہی متاثر ہوتے ہیں اور جیسا کچھ ماں باپ کا کردار ہوگا اور جیسا کہ ان کی تربیت کا ڈھنگ ہوگا۔ اسی طریقے پر بچہ نشو و نما پائے گا۔

تربیت اولاد سے بے اعتنائی یہ بات بڑی افسوسناک ہے کہ تربیت کے لحاظ سے ہمارے گھر یکساں طرزِ عمل پر کاربند نہیں ہیں۔ بلکہ افراط و تفریط کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کہیں بے پناہ سختی اور کہیں بہت زیادہ نرمی۔ اعتدال اور میانہ روی کی راہ سے بہت سے گھرانے ناآشنا ہیں۔ تربیت کی شکلوں کے لحاظ سے ہمارے گھر قسم قسم کے حالات سے دوچار ہیں۔

- بعض گھرانوں میں بچے کی نشو و نما بزدلی، خوف، اپنی ذات پر بے اعتمادی اور ذہنی انتشار کے ساتھ ہوتی ہے۔

(۲) ایسے گھرانے بھی ہیں جہاں بچے لاڈ و پیار کے اتنے رسیا ہوتے ہیں کہ کسی قاعدے، ضابطے کی پابندی ان کے لئے مشکل ہو جاتی ہے۔ اس طرح ان کی اصل فطرت میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ سیدھے راستے سے بھٹک جاتے ہیں۔

(۳) ایسے گھرانے بھی ہیں جہاں بچے کی نشوونما جہالت اور بدتمیزی اور اعلیٰ درجے کے اخلاق و آداب سے محروم ماحول میں ہوتی ہے۔ یہ بچے نہ تو ادب اور سلیقے سے باخبر ہوتے ہیں اور نہ صفائی اور گندگی کے درمیان تمیز کر سکتے ہیں۔

(۴) کچھ گھرانوں میں بچوں کا مزاج خود پسندی اور کبر و نخوت کا حامل ہوتا ہے۔ ایسے بچے اپنے عیش و نشاط میں مگن نظر آتے ہیں۔ انہیں معاشرے کے غم اور خوشی سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔

(۵) بعض گھرانے ایسے بھی ہوتے ہیں جہاں بچہ دینی ماحول میں پروان چڑھتا ہے لیکن یہ اس کی دینداری بے بنیاد عقائد اور خرافات سے بھرپور ہوتی ہے۔

(۶) ایسے بھی خاندان موجود ہیں جن کے بچے دین سے بالکل دامن چھڑا لیتے ہیں۔ والدین کی تربیت صحیح نہ ہونے کی وجہ سے سکول کے اساتذہ اپنے ڈھب پر جس طرح چاہتے ہیں ان کو رنگ دیتے ہیں۔ مختلف شکلیں ہیں جن پر ہماری نئی نسل نشوونما پا رہی ہے۔ ان میں نہ ذہنی یک سوئی ہے اور نہ اخلاقی اور اجتماعی لحاظ سے کوئی بلند تصور۔ ہر فرد دوسرے سے مزاج ذوق اور نظریات کے لحاظ سے اپنا الگ ذہن رکھتا ہے۔

ہماری نوجوان نسل میں جو ذہنی اور اخلاقی پستی پائی جاتی ہے اس کی بڑی وجہ یہی مذکورہ بالا اختلاف ہے۔

نئی نسل کی تربیت اس اخلاقی پستی کو دیکھ کر قوم کے بعض خیر خواہ بالکل ہی مایوس ہو جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک نئی نسل سے خیر کی امید رکھنا ہی غلط ہے۔ لیکن ہم ان کی مایوسی اور بدشگونی سے اتفاق نہیں کر سکتے نئی نسل میں جو غلط روی پائی جاتی ہے اس کے بہت سے داخلی اسباب ہیں جن کا ازالہ کرنے کی ہم قدرت رکھتے ہیں۔ ایسے خارجی اسباب بہت ہی کم ہیں جن پر قابو پانا ہمارے لئے ناممکن ہو۔ ماں باپ سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا ہے جو نئی نسل کے سنوارنے اور بگاڑنے میں موثر اور نمایاں کردار ادا کر سکے۔ اس وقت سب سے بڑا اہم مسئلہ گھر یلو تعلیم و تربیت کا ہے اور اس بات کا معلوم کرنا ہے کہ اس سلسلے میں کون سے طریقے مفید ہیں اور کون سے نقصان دہ۔ یہ عنوان ایسا ہے جس پر اہل علم، اصحاب فکر انشاپرداز، خطباء اور قومی اصلاح کے علم بردار سب کو متوجہ ہونا چاہیے۔ یہ ایک ایسا اہم مسئلہ ہے جس کو حل کرنے کے لئے درس گاہیں قائم کی جائیں۔ اور علمی حلقے منعقد ہوں اور بحث و مذاکرہ کی مجلسیں برپا ہوں اور عوام کو ان تمام مباحث سے استفادے کا موقع دیا جائے۔ ہمارے اس دور کے علماء تربیت نے حسب ذیل اصولوں پر اتفاق کر لیا ہے اگر کوئی معاشرہ ان اصولوں پر کاربند رہتا ہے تو اس کی بنیادیں پائیدار ہوں گی اور پوری قوم فلاح و سعادت

سے ہم کنار ہو گی۔

اصول تربیت ۱۔ بچے کی شخصیت کو اس طرح نشو و نما دینا کہ گھر کی پوری فضا اس کی چھپی ہوئی صلاحیتوں کو ابھارنے میں مددگار بن جائے۔ اسے ہر طرف اپنی ذہنی استعداد کو بڑھانے کا سامان نظر آئے۔

۲۔ بچے میں شروع ہی سے جرأت، شجاعت، خودداری اور خود اعتمادی کا بیج بو دیا جائے۔ وہ دوسرے کا خوشہ چین ہونے کے بجائے اپنی رائے اور اپنے سوچے سمجھے خیالات پورے اعتماد کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کر سکے۔

۳۔ اس میں تعاون اور باہمی ہمدردی کا جذبہ ابھارا جائے اس کو بتایا جائے کہ معاشرے کا نقصان اس کا نقصان ہے اور قوم کا فائدہ اس کا فائدہ ہے۔

یہ ہیں وہ گھریلو صحیح تربیت کی بنیادیں جن سے اجتماعی، سیاسی، دینی، اخلاقی اور اقتصادی ہر لحاظ سے نئی نسل میں مل کر کام کرنے کا جذبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ یہی وہ تربیت ہے کہ اس سے آراستہ ہو کر نئی نسل کے معاشرے کو ہر قسم کی کمزوری اور تباہی سے بچا سکتی ہے۔

ہمیں اس اہم مسئلے کے بارے میں پوری سنجیدگی سے کام لینا چاہئے کہ واقعی ہمارے گھروں میں اعلیٰ مثالی تربیت کا انتظام ہے اور کیا ماں باپ اس معاملے میں اپنے فرائض کا شعور رکھتے ہیں؟

والدین کی غلط روش حقیقت یہ ہے کہ بہت سے خاندان، تربیت اور اس کے دور رس اثرات سے قطعاً نا آشنا ہیں۔ سب سے پہلی خرابی جو تربیتی لحاظ سے گھر میں پیش آتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ بچے کی نفسیات اور اس کے جذبات و میلانات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ اور اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ یہی بچہ مختلف منازل طے کر کے مردوں کی صف میں کھڑا ہونے والا ہے۔ اس پر وہی قانون جاری ہوتے ہیں۔ اکثر ماں باپ کا یہ حال ہے کہ وہ بڑوں اور بچوں کی نفسیات میں فرق نہیں کرتے۔ ایک بے سمجھ بچے کو اس کی خطا پر اسی طرح سختی سے سزا دیتے ہیں جو بڑوں کو دی جاتی ہے کبھی اس کے عیب اور کمزوری کا چرچا کیا جاتا ہے اور کہیں اس پر نکتہ چینی کی جاتی ہے اسے تذلیل و تحقیر کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ وہ کونسی ماں ہے جو غصے سے بھڑک نہ اٹھتی ہو جب کہ اس کا چھوٹا سا بچہ اپنے پاجامہ ہی میں دو تین بار پے در پے رفع حاجت کر لیتا ہے اور وہ کونسی ماں ہے جو شیشے کے برتن توڑنے پر اپنے بچے کو زد و کوب نہیں کرتی اور وہ کونسی ماں ہے جو اپنے بچے کو سخت سے سخت سزا نہیں دیتی جب کہ بچہ گھر کے خاص کمرے کے بیش قیمت فرش پر دوات الٹ دیتا ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک ماں اپنے ڈیڑھ سال کے بچے کو پیٹ رہی تھی اس کا قصور صرف یہ تھا کہ اس نے اپنے پاجامے میں پاخانہ کر دیا تھا۔ ماں کا خیال یہ تھا کہ بچے کو چاہئے کہ قضائے حاجت سے پہلے وہ اطلاع کرتا یا خود بیت الخلاء یا اپنے قدمچے پر پہنچ جاتا۔ میں نے اس خاتون کو یہ بتانے کی کوشش کی کہ اس کا یہ طرز عمل درست نہیں ہے

اس عمر میں بچہ اتنی سمجھ نہیں رکھتا لیکن وہ خاتون میری بات سے مطمئن نہ ہوسکی۔ آخر کار میں نے کہا ذرا اپنی ماں سے اپنے بچپن کا حال تو پوچھ کر دیکھو جو تمہارے بچے کا اب حال ہے۔ کیا یہی طرزِ عمل بچپنے میں تمہارا نہ تھا۔ اس جملے پر وہ عورت ہنس پڑی اور اسے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔

غلط تربیت کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ بچوں کی خوب مرمت کی جائے جب کہ وہ گھروں سے بھاگ کھڑے ہوں یا گھر واپس آنے میں دیر لگائیں یا اپنے چھوٹے بھائی بہنوں سے زیادتی کریں یا کسی معاملے میں ماں باپ کی نافرمانی پر تل جائیں۔ ظاہر ہے کہ ان کو ان فوجیوں کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا جو اپنے کمانڈر کے ہر حکم کو ماننے کے لئے تیار رہتے ہیں۔

بچے کی شرارت اس کی ذہانت کی دلیل ہے

واضح رہے کہ بچہ اگر ماں باپ کی مخالفت کرتا ہے یا نظم و ضبط کو توڑتا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ اپنی تربیت کے لحاظ سے شرارت و خباثت کا سرچشمہ ہے بارہا اس قسم کا مزاج بچے کی گرم جوشی، چستی، چالاکی اور قوی شخصیت کو نمایاں کرتا ہے۔

ان حالات میں ہمارے لئے مناسب یہی ہے کہ اس کو غلط راستے سے ہٹا کر سیدھی شاہراہ پر لے آئیں۔ لیکن یہ طریقہ ایسا حکیمانہ ہونا چاہئے کہ اس کی چھپی ہوئی صلاحتیں دبنے کی بجائے ابھرنے لگیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان کیا جاتا ہے۔

غرام الصبی فی صغرہ زیادۃ عقلہ فی کبرہ یعنی چھوٹی عمر میں بچے کی تیزی اور طراری بڑی عمر میں اس کی ذہانت کا پیش خیمہ ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے غرام الصبی نجابۃ[ؐ] بچے کی تیزی طراری اس کی شرافت کی نشانی ہے (حکیم ترمذی نے یہ روایات اپنے نوادر میں جمع کی ہیں)

بارہا ایسا ہوتا ہے کہ بچہ بعض ایسے اسباب کی بنا پر جن کا ہمیں علم نہیں ہوتا۔ نظم و ضبط کو توڑ دیتا ہے۔ مدرسے سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے یا گھر لوٹنے میں دیر لگا دیتا ہے۔ اگر واقعی وہ اپنی زبان میں اپنا عذر سمجھا سکے تو ہمیں کبھی بھی اس کا عذر قبول کرنے میں تامل نہ ہوگا۔ حسب ذیل قصے سے اس حقیقت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک لڑکا معمول کے شام کو گھر نہ آسکا۔ ماں کو اندیشہ ہوا کہ اگر اس تاخیر کا علم باپ کو ہو گیا تو سخت ترین سزا دے گا۔ اس خیال کے آتے ہی وہ اپنے گھر کی تاریک ڈیوڑھی میں لمبی لاٹھی لے کر کھڑی ہو گئی۔ جیسے ہی بچے نے گھر میں قدم رکھا۔ ماں غضب ناک ہو کر اس پر پل پڑی۔ اس نے اس بات کی بھی زحمت گوارا نہ کی کہ مار پیٹ سے پہلے اس کی تاخیر کا سبب ہی معلوم کر لیتی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس جلد بازی میں ماں غلطی پر تھی۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ ایک پڑوسی نے اس بچے کو اپنی مدد کے لئے بلایا کہ یہ باغ کے پھل توڑو۔ تمہیں مناسب مزدوری مل جائے گی۔ بچے نے یہ پیش کش اس بنا پر قبول کر لی کہ اس سے اس کے نادار والدین کو سہارا ملے گا۔ اور اسی خیال سے

اس نے اپنے شام کے کھانے کی پرواہ بھی نہیں کی۔ جو وہ معمول کے مطابق گھر میں کھایا کرتا تھا۔ اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ بچے نے کتنے قابلِ تعریف جذبے کی بنا پر اس تاخیر کو برداشت کیا تھا۔ لیکن سنگدل ماں نے حوصلہ افزائی کی بجائے اس کی بری طرح مرمت کر ڈالی۔

غلط تربیت کے نمونے غلط تربیت کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اگر بچہ ایک دو بار غلطی کر بیٹھتا ہے تو ہم اسے بدنام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ مثلاً ایک مرتبہ اس کی زبان سے کوئی جھوٹی بات سننے کا اتفاق ہوتا ہے تو پھر ہمیشہ اسے کذّاب کے لفظ سے یاد کرتے ہیں اور اگر وہ کبھی اپنے چھوٹے بھائی کو چپت لگا دیتا ہے تو اسے شریر کے لقب سے یاد کرتے ہیں اور اگر وہ کبھی چھوٹی بہن سے بہلا پھسلا کر پھل چھین لیتا ہے تو ہم اسے مکّار کا نام دیتے ہیں۔ اگر وہ کبھی باپ کی جیب سے قلم چرا لیتا ہے تو ہم ہمیشہ کے لئے اسے چور کا خطاب دے دیتے ہیں اور اگر کبھی وہ پانی پلانے یا کسی اور کام سے انکار کر دے تو ہم اسے کام چور کا لقب دئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ہم پہلی غلطی پر لوگوں کے سامنے اسے ذلیل کر ڈالتے ہیں۔ یہ تربیت کا انتہائی غلط طریقہ ہے۔ صحیح صورت یہ ہے کہ اسے نرمی سے سمجھائیں اور اسے دلیل سے مطمئن کریں جو اس کے چھوٹے سے دماغ میں سما سکے۔ مثلاً یہ کہ وہ اپنا بھی نقصان کرتا ہے اور دوسرے بھی دکھ پاتے ہیں۔

تربیت کا ایک غلط طریقہ یہ ہے کہ روتے ہوئے بچے کو ڈرا دھمکا کر خاموش کیا جائے۔ بھوت، کتے یا دیو کا نام لے کر ڈرایا جائے اور پھر ڈراتے ہوئے اسے سینے سے چمٹا لیا جائے تاکہ بچے کو یہ احساس دلایا جائے کہ ماں یا باپ کو اس کی بچانے کی فکر ہے۔ ڈرانے کی بدترین صورت یہ ہے کہ اسے استاد یا ڈاکٹر کا خوف اس کے دل میں پیدا کیا جائے اس طرزِ عمل سے بچے کی نشو و نما انتہائی بزدلی کے ماحول میں ہوتی ہے۔ اور اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ جن معمولی چیزوں سے اسے ڈرنا نہیں چاہئے ان سے بھی وہ خوف کھانے لگتا ہے۔ جہاں اسے بغیر رکاوٹ کے آگے بڑھنا چاہئے وہاں بھی وہ خطرہ محسوس کرتا ہے۔ بچے میں خوف اور بزدلی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کہ وہ زمین پر گرتا ہے اسے چوٹ لگتی ہے اور خون بہہ پڑتا ہے۔ اس موقعہ پر ماں اپنا سینہ پیٹ لیتی ہے۔ شور مچاتی ہے۔ لوگوں کو امداد کے لئے پکارتی ہے۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر بچہ بھی خوب روتا ہے اور پھر وہ اس بات کا خوگر ہو جاتا ہے کہ جب بھی وہ خون دیکھے یا معمولی تکلیف محسوس ہو تو سارا گھر سر پر اٹھا لے۔ اس صورتِ حال کو ختم کرنے کے لئے صحیح تدبیر یہ ہے کہ اس قسم کے مواقع پر ماں مسکراتے ہوئے بچے کو تسلی دے اور احساس دلائے کہ یہ تو معمولی سی چوٹ ہے۔

ماحول کے اثرات یہاں سب سے بنیادی قابلِ غور بات یہ ہے کہ ایک طرف ماں باپ بچوں کے اخلاق و کردار سنوارنے کی فکر میں رہتے ہیں لیکن ساتھ ہی ان کے لئے ایسا ماحول پیدا کر دیتے ہیں کہ جس سے وہ بے راہ روی کا شکار ہو

ہو جاتے ہیں۔ مثلاً

۱۔ برے دوستوں کی رفاقت پر ہم چشم پوشی کر جاتے ہیں۔

۲۔ غیر ملکی مثلاً امریکی درسگاہوں میں اپنے بچوں کو بھیج دیتے ہیں جہاں ہماری دینی اخلاقیات کا قطعاً خیال نہیں رکھا جاتا۔

۳۔ جاسوسی یا فحش مناظر دکھانے والے فلمی تماشوں میں ہم جانے کی اجازت دے دیتے ہیں یا خود اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ یہ فلمی تماشوں کی چاٹ ایسی ہے کہ اس سے بڑوں بڑوں کے اخلاق تباہ ہو جاتے ہیں بچوں کا معاملہ تو بہت ہی سنگین ہے۔

گندہ لٹریچر ۴۔ ہم ان کے مطالعے میں فحش اور بے حیائی سے بھرپور رسالے، اخبارات اور لٹریچر دیکھتے ہیں لیکن ہمیں ذرا بھی احساس نہیں ہوتا کہ یہ سب چیزیں ان کے مزاج کو داؤ پر لگا رہی ہیں۔ جرائم پہ آمادہ کر رہی ہیں۔ گھر کی پوشیدہ باتوں کو برسرعام پھیلا رہی ہیں اور ماحول کے رسواکن حالات کو بے نقاب کر رہے ہیں۔ اس غلط ماحول میں بچوں کو رکھتے ہوئے یہ امید رکھنا کہ وہ سراپا عفت و امانت ہوں گے یہ خوش فہمی نہیں تو اور کیا ہے۔ علماء فن تربیت کا اس پہ اتفاق ہے کہ بچوں اور جوانوں پہ ماحول پوری طرح اثر انداز ہوتا ہے۔ کہ پھر ماں باپ کی نصیحت اور استادوں کی تلقین بھی بے اثر ہو جاتی ہے۔ اس ساری تفصیل سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خود ہم ان کو برے ماحول میں دھکیلتے ہیں پھر ان کی غلط کاریوں پہ مجسم شکوہ بن جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے بیٹے کی شکایت کی کہ اس کا کہا نہیں مانتا اور اس کے حقوق ادا نہیں کرتا۔ حضرت عمرؓ نے لڑکے کو بلا کر سمجھایا بجھایا اور آئندہ باپ کے وفادار ہونے کی تلقین کی۔ بیٹے نے کہا کچھ باپ پہ اولاد کے بھی حقوق ہیں یا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کیوں نہیں۔ بیٹے نے کہا وہ کیا حقوق ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تین حقوق ہیں۔

۱۔ باپ کا فرض ہے کہ نسل انسانی کے اضافے کے لئے اخلاقی اور خاندانی لحاظ سے بہترین عورت کا انتخاب کرے۔

۲۔ بچے کا اچھا نام رکھے۔

۳۔ بچے کو قرآن کی تعلیم دے۔

بچے نے کہا کہ امیر المومنین میرے باپ نے ان تینوں میں سے کوئی بھی حق ادا نہیں کیا۔

۱۔ میری ماں ایک مجوسی کی حبشی لونڈی ہے۔

۲۔ اس نے میرا نام کھٹل رکھا ہوا ہے۔

۳۔ اس نے مجھے قرآن کا ایک حرف بھی نہیں سکھایا۔

حضرت عمرؓ باپ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "تو اپنے بیٹے کی نافرمانی کا شکوہ لے کر آیا ہے اور حالانکہ تو نے

خود اس کو تلف کیا ہے اور اس کے برے سلوک سے پہلے تو نے اس کے ساتھ برا معاملہ کیا ہے۔

حضرت عمرؓ کی یہ نصیحت کتنی برمحل ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ باپ نے اگر بچے کی تربیت میں لاپرواہی برتی ہے اور اس وجہ سے بچے نے نافرمانی اور بے راہ روی اختیار کر لی ہے تو اس کی ذمہ داری باپ پر بھی عائد ہوگی۔

صالح بیوی کا انتخاب اس موقعہ پر مجھے اس بچے کا جواب بہت پسند آیا کہ جب کہ باپ نے غصے کی حالت میں اس کی ماں کو عار دلاتے ہوئے کہا تھا کہ " اے لونڈی کے بچے کیا تو بھی میری مخالفت کی جرأت کرتا ہے " اس موقعہ پر لڑکے نے کہا میری ماں بخدا تجھ سے بہتر ہے۔ باپ نے پوچھا کیسے؟ بچے نے کہا کہ میں اس کے حسن انتخاب کی داد دیتا ہوں کہ اس نے ایک آزاد اور شریف مرد سے نکاح کیا اور میری پیدائش کا سبب بنی۔ لیکن آپ انتخاب کے بارے میں ناکام رہے کہ آپ نے ایک لونڈی سے شادی رچا کر نسل انسانی میں اضافہ کیا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اولاد کی بے راہ روی کی ایک بہت بڑی وجہ ماؤں کا معاملہ ہے اگر باپ نے غلط انتخاب کیا ہے تو وہ اس کے نتائج کی ذمہ داری سے بری نہیں ہو سکتا اور اسی قسم کی ذمہ داری عورتوں پر بھی ہے۔ کہ وہ اپنے شوہروں کے انتخاب میں پوری ذمہ داری کو محسوس کریں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو برس پہلے اس حقیقت کو واضح کر دیا تھا فرمایا تخیروا النطفکم فان العرق دساس اپنے نطفے کے لئے بہترین رشتہ تلاش کرو۔ اس لئے کہ رگ چھپی ہوئی ہے۔ یعنی اندر اندر ماں کے اثرات سے بچہ اخلاقی غذا پاتا ہے۔ واضح رہے کہ اگر ہم نے اپنے نئے طور طریقے اپنانے پر اصرار کیا یا جھوٹے پیر ان کی ہمت افزائی کی یا سزا دینے میں سنگدلی سے کام لیا یا ہم نے ان کی چوری پر خوشی کا اظہار کیا یا ایسی سزا دی جس کی وہ تاب نہ لا سکتے تھے۔ ان تمام حالتوں میں ہم خدا کی باز پرس سے نہیں بچ سکتے۔ جو لوگ بچوں کو لاڈ پیار میں رکھتے ہیں ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ ذرا سی تاریکی ان کے لئے وحشت کا سبب بن جاتی ہے۔ ذرا سا خون کا قطرہ ان کا دل ہلا دیتا ہے اور ذرا سی ہاتھ کی خراش اور پاؤں کی چوٹ انہیں بے چین کر دیتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی اولاد جوان ہو کر قومی معرکوں میں کیسے حصہ لے سکتی ہے اور آزادی کی جنگ کیسے لڑ سکتی ہے۔ ایسی نسل کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ جنگ کے نام سے ان کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے ہوائی جہازوں کی آواز سن کر بھی ہوائیاں اڑنے لگتی ہیں۔ اسی طرح اگر ہم نے بچپنے میں بچوں کو دھوپ کی تیزی اور سرد جھونکوں سے بچانے کی کوشش کی تو ان کے بدن جفاکشی سے محروم ہو جائیں گے۔ اس کی ذمہ داری بھی ہم ہی پہ عائد ہوگی۔

عبرت انگیز واقعہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک عدالت نے چور کو ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جب سزا نافذ ہونے کا وقت آیا تو اس نے چلا کر کہا کہ میرا ہاتھ کاٹنے سے پہلے میری ماں کی زبان کاٹو۔ کیونکہ جب میں نے پہلی بار اپنے پڑوسی کا انڈا چرایا تھا تو اس پر میری ماں نے کوئی تنبیہ نہیں کی اور نہ اس نے انڈے کے لوٹانے کی ترغیب دی۔ بلکہ اس

نے یہ کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ میرا بچہ کماؤ مرد ہو گیا ہے۔ اگر میری ماں کی زبان میری حوصلہ افزائی نہ کرتی تو مجھے یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔

اے اولاد کے سرپرستو! بیٹوں اور بیٹیوں کے معاملہ میں اپنی ذمہ داریاں محسوس کرو۔ قرآن میں ارشاد ہے قوا انفسکم و اھلیکم نارًا۔ ایک حدیث میں ہے کہ علموا انفسکم واھلیکم خیرا وادبوھم (مصنف عبدالرزاق وسعید بن منصور) یعنی اپنے آپ کو اور گھر والوں کو خیر کی تعلیم دو۔ اور انہیں باادب بناؤ۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ الزموا اولادکم واحسنوا ادبھا اپنی اولاد کو ساتھ رکھو اور ادب سکھاؤ۔

اس موقعہ پر اسماء بنت ابی بکر کا قصہ یاد رکھنا چاہیئے جب کہ انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیر سے کہا تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر حجاج سے مقابلہ کر رہے تھے وہ اپنی والدہ کے پاس مشورہ لینے آئے کہ وہ جنگ جاری رکھیں یا بند کردیں ماں نے جواب دیا اگر تم واقعی جانتے ہو کہ تم حق پر ہو تو پھر حق سے ہٹنے کے کیا معنی اگر تم کہو کہ پہلے میں اپنے آپ کو حق پر سمجھتا تھا۔ لیکن اب مجھ پر رائے کی غلطی واضح ہو گئی تو اس صورت میں تم کتنے ہی بُرے انسان ہو کہ تم نے اپنے آپ کو تباہ کیا اور اپنی قوم کو بھی بربادی کا لقمہ بنایا۔ اس کے بعد جب ماں سے حضرت عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میرے قتل کے بعد بنوامیہ کے لڑکے میرے ناک کان کاٹ ڈالیں گے اور تکہ بوٹی کردیں گے۔ تو ماں نے جواب دیا کہ بکری جب ذبح ہو جاتی ہے تو کھال اتارنے سے اسے تکلیف نہیں ہوتی۔ یہ وہ بیٹی ہے جسے اسلام نے تربیت دی تھی اور جب ماں بنی تو اس نے کس طرح قربانی۔ فداکاری اور راہ حق میں شہادت کا سبق اپنے بیٹے کو سکھایا۔

اس تفصیل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ہمارے اسلاف کس طرح تاریخ میں زندہ جاوید رہ گئے اور اس دور کے مشاہیر یہ رتبہ نہ پا سکے۔

بقیہ مکتوبات مولانا روی

۴۔ ترجمہ: تم سب کی پیدائش اور بعثت ایک نفس کی پیدائش اور بعثت کی طرح ہے۔

۵۔ ترجمہ: میری روح تیری روح کے ساتھ متحد ہے پس ہر حادثہ جو تجھے تکلیف دے، مجھے بھی تکلیف دیتا ہے۔

۶۔ حوالہ نمبر ۲

۷۔ اس مقالے کے ترجمے کے لئے دیکھیں ماہنامہ المعارف۔ لاہور دسمبر ۱۹۷۸ء

تبرّکاتُ اکابرؔ و مشاہیر

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا ایک گرامی نامہ

برادر محترم مولوی کلیم سیّد اختر حسین صاحب فاضل مظاہر العلوم سہارنپور و فاضل طبیّہ کالج دہلی میرے حقیقی خالہ زاد بھائی ہیں انکی حقیقت یہ ہے کہ انکی والدہ محترمہ نے ان کے بچپن میں انتقال کیا تھا۔ برادر موصوف میری والدہ صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا اور میرے والد محترم حضرت مولانا سیّد انور شاہ صاحبؒ کی کفالت و سرپرستی میں پلے بڑھے، میرے والدین موصوف سے اپنی اولاد کی طرح محبت کرتے تھے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ بہت سے امور میں اپنی اولاد پر انہیں مقدم خیال کرتے تھے برادر موصوف کا ددھیال کبنہ انگریزی تعلیم یافتہ تھا مگر وہ دامانِ انوری میں پل بڑھ کر دیندار، مخلص اور شریف الطبع بنے۔ برادر موصوف نے ابھی چند دن ہوئے والد محترم حضرت مولانا سیّد انور شاہ کشمیریؒ کے ایک گرامی نامہ کی فوٹو اسٹیٹ کاپی مجھے بھیجی جو حضرت مرحوم نے ۴۹ھ میں ڈھابیل ضلع سورت سے انہیں بھیجا تھا۔ میں حضرت مرحوم کے اس خط کو آثارِ قدیمہ اور تبرکاتِ صالحہ کے زمرہ میں شمار کرتا ہوں اور اس اشاعت کیلئے رسالہ الحق کو بھیج رہا ہوں اس طرح حضرت مرحوم کی یہ مختصر تحریر اربابِ نظر تک پہنچے گی اور محفوظ بھی ہو جائے گی۔

(سید محمد ازہر شاہ قیصر۔ شاہ منزل خانقاہ۔ دیوبند)

عزیز القدر جناب سید محمد اختر صاحب دام عزہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

نامۂ گرامی ہر دو رسیدند حق تعالیٰ ایشان را ہموارہ بعافیت دارد و بجناب صاحب سعیہ فائز گرداناد احقر بعافیت و اہل نو بظہور نرسیدہ حال بدستور است درمیان یک بار دورہ افتادہ سہ روز ماندہ منقطع شد

احقر عن قریب مع جناب مولوی شبیر احمد صاحب و مولوی احمد بزرگ صاحب عازم رنگون ہستیم سفر یک ماہ است روز چہار شنبہ روانہ خواہیم شد حق تعالیٰ سفر بعافیت گزراناد

ایشاں محنت و کوشش کردہ مانند کہ حق تعالیٰ کامیاب فرماید بالای خدمت جناب مولوی محمد امین صاحب تحیۃ السلام برسانند

والسلام

از ڈابھیل مدرسہ تعلیم الدین

محمد انور شاہ عفا اللہ عنہ

روز پنجشنبہ ۱۳۴۹ھ

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدظلہ سہارنپور
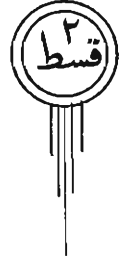
حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کے حالات میں تذکرۃ الخلیل میں لکھا ہے:۔
کہ منیٰ کے قیام میں کچھا کھچ اسباب کے گرد برابر برابر شغدف لگے ہوئے تھے کہ قبیل صبح صادق مطوف آیا اور شور مچایا کہ تیار ہو جاؤ عرفات کے لئے۔ دیکھتا ہوں تو حضرت دو شغدفوں کے بیچ میں گُل نما جو تنگ جگہ چھٹتی ہے اس میں اس میں کھڑے ہوئے اپنے مولا کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول ہیں اور پارہ ہائے قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے ہیں۔
مطوف اور جمالین نے بہت کچھ شور مچایا مگر حضرت کے طویل قیام میں ایک آیت کا بھی فرق نہ آیا۔ تلاوت قرآن جس سکون کو چاہتی ہے اس کا حق ادا فرما کر جب آپ نے سلام پھیرا تو اللہ کے شیر پر غصہ کے آثار نمودار تھے اور تند و تیز لہجہ میں آپ نے مطوف سے کہا تم بھول گئے ہم نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ سنت کے خلاف ہم ہرگز نہ کریں گے۔ اور تم نے اقرار کیا تھا کہ جس طرح کہو گے اسی طرح کروں گا۔ پھر قبل طلوع آفتاب لے چلنے پر ہم سے کہنے کا تم کو کیا حق ہے کہ فضول پریشان کر رہے ہو۔ مطوف نے کہا میں کیا کروں جمّال نہیں مانتے۔ جن پر کسی کا زور نہیں اور یہ اونٹ لے کر چل دئے تو حج فوت ہو جائے گا۔ سنت کی خاطر فرض کو خطرہ میں ڈالنا تو اچھا نہیں۔ اس پر حضرت کا غصہ تیز ہو گیا۔ بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا۔
ہم نے تم کو مطوف قرار دیا ہے استاد اور پیر قرار نہیں دیا ہے کہ علمی مشورہ لیں۔ جاؤ اپنا کام کرو۔ ہم شروقِ آفتاب سے ایک منٹ پہلے بھی نہیں اٹھیں گے۔ ہمارا مال خرچ اور صعوبت برداشت کر کے آنا حج کو بطریق سنّت ادا کرنے کے شوق میں ہوتا ہے۔ نہ کہ تمہارے اور جمّالوں کے غلام بننے کے لئے۔ جمّالوں کو اپنے اونٹوں کا اختیار ہے۔ ان کا جی چاہے وہ ان کو لے جاویں باقی ہم پر ان کو کوئی اختیار نہیں کہ اٹھنے پر مجبور کریں۔ تم نے ناوقت شور مچا کر ہم کو پریشان کر دیا اور نماز تک نہیں پڑھنے دی۔ اس لئے ہم تم کو بھی آزاد کرتے ہیں۔ اپنے دوسرے حاجیوں کو سنبھالو ہم کو ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے ہم لولے لنگڑے نہیں ہیں اور نہ عرفات کچھ زیادہ دور ہے۔ اونٹ چلے جائیں گے تو پیدل بھی ہم انشاء اللہ پہنچ جائیں گے۔ مگر تم یہ چاہو کہ سنّت چھوڑ کر تمہارا کہنا مانیں سو اس کی ہرگز

ہم سے توقع مت رکھو۔

ایک مرتبہ آپ کے ایک مرید نے ضلع رہتک کے ایک عالم کی صفائی کرتے ہوئے یوں کہا۔ کہ حضرت وہ تو حضور کے رشتہ دار ہیں اور بالکل ہمارے ہم خیال ہیں۔ صرف بعض عقائد میں کچھ یوں ہی جزوی سا اختلاف ہے۔ جیسا باہم ائمہ میں ..... وہ صاحب اپنی تقریر ختم نہ کرپائے تھے کہ آپ کے چہرے پر ناگواری کے آثار پیدا ہوگئے۔ اور آپ نے تعجب کے ساتھ فرمایا کہ ہائیں! عقائد میں اور اختلاف؟ یہ تو جزوی ہونا خود ہی آپ کو تسلیم ہے۔ میرا تجربہ تو یہ ہے کہ عقائد میں جزو تو جز اگر بالکل بھی اختلاف نہ ہو مگر شک اور شبہ کا درجہ ہو تو وہ بھی برباد اور گمراہ ہوئے بغیر نہیں بچتا۔ پھر اس کو ائمہ کے ساتھ تشبیہہ دینا تو بڑی ہی دلیری کی بات ہے۔ پس چاہیے عمل میں کتنی ہی کمزوری ہو مگر خدا نہ کرے کہ کوئی مسلمان بدعت کو سنّت سمجھے یا سنّت کو سنّت ہونے میں شک لاوے کہ یہ بلائے درماں، مہلک اور سم قاتل ہے۔

(تذکرۃ الخلیل صـ ۳۵۵)

حضرت مولانا اسمٰعیل شہید قدس سرہ مسواک سفر میں بھی آپ کے کرتہ کی جیب یا تکئے کے غلاف میں رہتی تھی۔ اور کوئی وضو آپ کا مسواک کے بغیر نہ ہوتا تھا۔

حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ "ارواح ثلثہ" میں لکھا ہے کہ اکبری مسجد میں پہلی صف میں ایک پتھر بیٹھ گیا تھا جس کی وجہ سے وہاں گارہ ہو جاتا تھا اور لوگ اس کی وجہ سے اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری صف میں کھڑے ہو جاتے تھے۔ حضرت مولانا شہیدؒ تشریف لائے اور وہ زمانہ ان کے بہت عمدہ کپڑا پہننے کا تھا۔ مگر وہ آکر صف اول میں اسی جگہ کھڑے ہوئے جہاں کیچڑ تھی۔ یہ اتباعِ سنّت کے شوق کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔

حضرت سید احمد شہید قدس سرہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ جن سے بیعت لیتے تھے ان کو اتباع سنّت کی بہت تاکید کرتے تھے۔ مولانا عبدالحیٰ صاحب سے ایک دفعہ کہا کہ اگر کوئی امر خلاف سنّت مجھ سے ہوتا دیکھو تو مجھے اطلاع کر دینا۔ مولانا عبدالحیٰ صاحب نے کہا جب کوئی مخالف سنّت فعل عبدالحیٰ دیکھے گا تو عبدالحیٰ آپ کے ساتھ ہوگا ہی کہاں یعنی ہمراہی چھوڑ دے گا۔

مولانا عبدالحیٰ صاحب کے اتّباعِ سنّت کی نگرانی کا یہ عالم تھا کہ اپنے شیخ کو بھی خلاف سنت پر بھی ٹوک دیتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت سید صاحب کی نئی شادی ہوئی تھی۔ نماز میں اپنے معمول سے کچھ دیر سے تشریف لائے۔ پہلے دن تو مولانا عبدالحیٰ نے سکوت کیا دوسرے دن بھی دیر ہوئی کہ تکبیر اولیٰ فوت ہوگئی۔ مولانا عبدالحیٰ صاحبؒ نے سلام پھیر کر فرمایا کہ "عبادت الٰہی ہوگی یا شادی کی عشرت ہے" سید صاحب نے اپنی غلطی کا اعتراف فرمالیا۔

مولانا محمد اسمٰعیل کاندھلویؒ میرے دادا مولانا اسمٰعیل صاحبؒ مقیم نظام الدین کے متعلق امیر شاہ خان لکھتے ہیں کہ جب بھی ان سے ملاقات ہوتی تھی تو وہ یہ ضرور فرمایا کرتے تھے کہ حدیث میں آیا ہے جب کسی کو کسی سے محبت ہو تو اُسے

چاہئے کہ اس کو اطلاع کر دے۔ اس لئے میں بہ تعمیلِ ارشادِ نبوی تم سے کہتا ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے " یہ ان کا ہر ملاقات میں معمول رہا۔ اس پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ کہ یہ جوش ہے اتباعِ سنت کا جو مقتضی ہوتا تکرار کو ورنہ ایک بار اطلاع کر دینا بھی کافی تھا۔

میرے دادا صاحب کا ایک اور واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ حضرت گنگوہیؒ سے تخلیہ میں یوں کہا میں بیعت ہوں مولانا محمد یعقوب صاحب دہلوی سے۔ اور مولانا مظفر حسین صاحبؒ سے تعلیم حاصل کی۔ ان حضرات کی تعلیم نقشبندی تھی۔ ان کی تعلیم پر عمل کرنے سے میرے لطائف ستہ آٹھ دن میں ایسے پھڑکنے لگے جیسے پھڑکی پھڑکتی ہے۔ لیکن مجھے ابتدا سے اتباعِ سنت کا شوق تھا۔ اور جو اوراد حدیث میں وارد ہوئے۔ جیسے پاخانہ میں جاتے وقت یہ دعا پڑھے اور نکلتے وقت یہ۔ اور بازار جاتے وقت یہ۔ میں ان کا بہت اہتمام کرتا ہوں اس لئے مجھے اعمالِ مشائخ سے بہت کم دلچسپی تھی کبھی دس دن میں کبھی پندرہ دن میں مراقبہ کر لیا کرتا تھا۔ یہ میری حالت ہے اور اب ضعیفی کا وقت ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جناب مجھے کچھ تعلیم فرمائیں۔

حضرت گنگوہیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو اعمال آپ کرتے ہیں ان میں آپ کو مرتبہ احسان حاصل ہے۔ مزید تعلیم کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ مرتبۂ احسان حاصل ہونے کے بعد اشغال صوفیہ میں مشغول ہونا ایسا ہی ہے جیسا کوئی گلستاں بوستاں پڑھ لینے کے بعد کریما شروع کر دے۔ اس لئے آپ کے لئے اعمالِ مشائخ میں اشتغال تضیع اوقات اور معصیت ہے۔ از زکریا عفی عنہ۔ میں نے اکابر سے اس قصہ میں بجائے گلستاں بوستاں کے یہ سنا تھا کہ کوئی شخص قرآن پڑھنے کے بعد کہے کہ میں نے قاعدہ بغدادی نہیں پڑھا ہے، پڑھا دیجئے۔"

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا تو مشہور قصہ غدر کے زمانہ کا ہے کہ جب ان کے نام وارنٹ کٹے ہوئے تھے اور سب کے اصرار سے حضرت نانوتوی کو ایک گھر میں چھپا دیا تھا تو تیسرے دن زبردستی گھر سے باہر نکل آئے اور ارشاد فرمایا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا غارِ ثور میں تین دن ہی پوشیدہ رہنا ثابت ہے۔ حضرت نانوتویؒ کا مقولہ سوانح قاسمی جلد ا صـ ۲۰۵ میں نقل کیا گیا ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ درزی کو نمونہ کا کوئی کپڑا مثلاً قمیص، اچکن دے دیا جاتا ہے اور حکم دیا جاتا ہے کہ اسی نمونہ پر کپڑے سیتے چلے جاؤ۔ خراش تراش سلائی وغیرہ کے اعتبار سے جس حد تک اس نمونہ کے مطابق کپڑوں کے سینے میں درزی کامیاب ہو گا اسی حد تک سلانے والے سے مزدور انعام کا مستحق ہو گا۔ اس تمثیل کو پیش کر کے ارشاد فرماتے کہ اسوۂ حسنہ محمدیہؐ قدرت کا بخشا ہوا نمونہ ہے۔ ساری انسانیت سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ اپنے آپ کو رنگ میں ڈھنگ میں، چال میں، چلن میں فکر میں، نظر میں اسی نمونہ کے مطابق ڈھالتے چلے جائیں جو جس حد تک اس نمونہ کے مطابق ہو گا اس کو اسی حد تک اپنے محبوب کی محبوبیت سے حصہ عطا کیا جائے گا۔

سوانح قاسمی صہ ۲۰۰ میں لکھا ہے کہ جب حضرت سفر سے نانوتہ تشریف لاتے تو دستور تھا کہ گھر سے پہلے کچھ دیر کے لئے مسجد میں قیام فرماتے۔ نفل ادا کرتے اور قصبہ والوں کو آپ کے آنے کی خبر پہنچتی تو سب مسجد کی طرف دوڑ جاتے معترضین آویں اور اتباع سنت میں اکابرین دیوبند کا مقابلہ کر کے دکھادیں۔ چلنے میں بیٹھنے میں، خورد و نوش میں، بہت مشکل سے ان کی نظیر ملے گی۔

اس کے سنو، اسلام کی بنا چار ارکان پر ہے جن کو عبادات کہا جاتا ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج۔ سینکڑوں احادیث میں ان کو اسلام کی بنا بتایا گیا ہے۔ محدثین، فقہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں بھی انہی چیزوں کو عبادت کہا گیا ہے۔ مگر اب بعض مفکرین کہتے ہیں کہ یہ تو اصل عبادت کے لئے ٹریننگ کورس ہے۔ بلکہ ان عبادتوں کا مقصد بڑی عبادتوں کے لئے تیار کرنا ہے۔ گویا عبادت کا مطلب امت میں سے کوئی نہیں سمجھا بلکہ خود سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم بھی نعوذ باللہ نہیں سمجھے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام تعلیم دین کے لئے تشریف لاتے ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کی حقیقت دریافت کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کلمہ کی شہادت اور یہی ارکان اربعہ صرف بتاتے ہیں اور حضرت جبرئیلؑ اس کی تصدیق فرماتے ہیں مگر نہ تو جبرئیلؑ کو پتہ چلا کہ یہ سب چیزیں غیر مقصود ہیں اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا۔ سینکڑوں جگہ حدیثوں میں اسلام کی بنا ان چار چیزوں پر ذکر کی گئی ہے مگر کسی حدیث میں مجھے تو ملا نہیں کہ اصل عبادت کچھ اور ہے اور یہ عبادات اس کے لئے ٹریننگ کورس ہیں۔

ایک بدو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتا ہے کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جس کے کرنے سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ عبادات ہی اس کو بتاتے ہیں۔ وہ عرض کرتا ہے یا رسول اللہ! خدا کی قسم نہ اس پر زیادتی کروں گا نہ کمی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جس کسی کو کوئی جنتی دیکھنا ہو وہ اس کو دیکھ لے۔

قرآن و حدیث سے جو کچھ ہم نے سمجھا اور جو کچھ سلف صالحین سے ہم تک پہنچا وہ یہ ہے کہ جن کو اسلام کے ارکان اور مدار نجات بتایا گیا ہے وہی اصل عبادات ہیں۔ دوسری چیزیں ان کی تحصیل اور تکمیل کے لئے اختیار کی جاتی ہیں۔ جو ان کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے عبادات کہلائی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سے اعمال کو نیکی قرار دیا گیا ہے اور ان پر اجر کا وعدہ بھی فرمایا ہے اور اس اجر کی وجہ سے ان کو مجازاً عبادت بھی فرما دیا ہے۔ لیکن عصر حاضر کے بعض مفکرین نے اصل عبادات کو ان کے مرتبہ سے گرا کر قرآن و حدیث کے منشا کے خلاف دوسرے بعض اعمال کو حقیقی عبادات کا درجہ دے دیا جو ان کی بڑی سخت گمراہی ہے اور اس کے نتائج ان مفکرین کے متبعین و مقلدین کے تحریری و تقریری بیانات سے عجیب و غریب دینی تحریفات کے ساتھ شائع ہو رہے ہیں جن سے ان لوگوں کے دین میں سخت

غلط ہو رہا ہے اور علوم دینیہ سے ناواقف بے چارے ان کی تحریروں سے متاثر ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر دینی تحریف سے پوری امت کو محفوظ و مامون رکھے۔ اور دین کو اسی نہج پر سمجھنے اور اپنانے کی توفیق عطا فرمائے جس نہج کو لے کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مبعوث ہوئے اور آپ کے اولین مخاطبین جاں نثار اور فائز المرام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے آپ سے سمجھا۔ پھر جوں کا توں الفاظ و معانی کو آگے بڑھایا اور اسی طرح خلفاً عن سلف ہم تک پہنچتا آرہا ہے اور قیامت تک انشاء اللہ اہل حق میں اسی طرح بحفاظت تامہ واعتبار کامل منتقل ہوتا رہے گا۔ واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون ہ

دراصل یہ سارے فسادات علم کو پڑھے بغیر ذہانت سے کتابیں دیکھنے سے ہوتے ہیں۔

بچپن میں ایک قصہ سنا تھا کہ ایک نہایت ذکی آدمی نے کہا کہ پڑھنے کے واسطے استادوں کی کیا ضرورت ہے خواہ مخواہ کی خوشامد کرنی پڑے۔ کتابیں موجود ہیں ترتیب وار دیکھ سکتے ہیں۔ فارسی سے ابتدا کی اور عجب شیخ سعدی کے اس شعر کو دیکھنا شروع کیا ہ

سعدی کہ گوئے بلاغت ربود در ایام بوبکر بن سعد بود

تو سعدی تو سعدی تھے ہی اور گوئے کے معنی گیند کے پہلے سے یاد تھے۔ اور سعدی کا بلا کی گیند لے جانا ایک لطیف معنی تھے۔ اب اس کے بعد غت ربود کے معنی ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے۔ نہ کسی لغت میں ملا نہ کسی کتاب میں ملا۔ وہیں سے یہ لفظ غتربود مہمل بات کے لئے ضرب المثل بن گیا۔

مجمع البحار میں ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ نہی عن الحلق قبل الصلوٰۃ ای صلوٰۃ الجمعۃ جو حا کے کسرہ اور لام کے زبر کے ساتھ حلقہ کی جمع ہے اور بعض جاہلوں نے اس کو حا کے زیر اور لام کے سکون کے ساتھ سمجھا اور چالیس سال تک جمعہ سے پہلے سر نہیں منڈایا۔ مسند حمی علی ابن ماجۃ

یہ ثمرہ ہے استاد سے نہ پڑھنے کا۔ حالانکہ یہ مضمون مختلف کتب حدیث میں تحلق کے لفظ کے ساتھ آتا ہے۔

شمائل ترمذی میں امام ابن سیرین سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث شریف (ایسے ہی اور علوم دینیہ) دین میں داخل ہیں لہٰذا علم حاصل کرنے سے قبل یہ دیکھو کہ اس دین کو کس شخص سے حاصل کر رہے ہو۔ شمائل میں لکھا ہے کہ ابن سیرین اپنے وقت کے امام اور مشہور تابعی ہیں۔ بہت سے صحابہ کرام سے علوم حاصل کئے۔ فن تعبیر کے بھی امام تھے۔ خواب کی تعبیر میں ان کے ارشادات حجت ہیں۔ ان کے ارشادات کا مقصود یہ ہے کہ جس سے دین حاصل کرو اس کی دیانت، تقویٰ، مذہب مسلک اچھی طرح تحقیق کر لو ایسا نہ کرو کہ ہر شخص کے کہنے پر عمل کرو خواہ وہ کیسا ہی بے دین ہو اس لئے اس کی بددینی اثر کئے بغیر نہیں رہے گی۔

عامۃ قلوب میں یہ سما گیا ہے کہ آدمی کو یہ دیکھنا چاہئے کہ کیا کہا، یہ نہیں دیکھنا چاہئے کہ کس نے کہا۔ حالانکہ یہ مضمون

فی نفسہ اگرچہ صحیح ہے لیکن اس شخص کے لئے ہے جو سمجھ سکتا ہو کہ کیا کہا ۔حق کہا یا باطل اور غلط کہا۔ لیکن جو لوگ اپنی ناواقفیت دینی کی وجہ سے کھرے کھوٹے ،صحیح اور غلط میں تمیز نہ کر سکتے ہوں ان کو ہر شخص کی بات سننا مناسب نہیں کہ اس کا نتیجہ مآل کار مضرت و نقصان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں کوئی دعوے دار اگر ولایت ، امامت نبوت ، رسالت حتیٰ کہ خدائی تک کا بھی نعوذ باللہ دعوٰے کرے تو ایک گروہ فوراً اس کا تابع بن جاتا ہے ۔

بخاری میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے انما العلم بالتعلم شراح حدیث نے اس حدیث کو مختلف طرق اور اسانید سے نقل کیا ہے ۔حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ علم وہی معتبر ہے جو انبیار کرام اور ان کے وُرثار (علمار) سے سیکھ کر حاصل کیا جائے ۔ بخاری میں ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ علم کو لوگوں کے قلوب سے ایک دم نکال کر نہیں ختم کرے گا بلکہ علم اس طرح ختم ہو گا کہ علمار اٹھتے چلے جائیں گے حتیٰ کہ کوئی عالم نہیں بچے گا تو لوگ اپنے سردار جاہلوں کو بنا لیں گے ۔ان سے لوگ مسائل پوچھیں گے اور وہ بغیر علم کے فتوٰے دیں گے ۔ تو خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے ۔

آج کل اس کا ظہور شروع ہو گیا ہے کہ اکابر علمار میں سے جو اٹھتا ہے وہ اپنی جگہ خالی چھوڑ جاتا ہے ۔اس کا نعم البدل تو کیا اس جیسا بھی کوئی دوسرا نہیں ہوتا ۔ اور لوگ جاہلوں کو اپنا دینی سردار بنا تے جار ہے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اعلان کیا تھا کہ علم کو اس کے اٹھائے جانے سے پہلے پہلے حاصل کر لو ۔کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ علم کس طرح اٹھایا جائے گا ؟ تو آپ نے فرمایا کہ علم کا اٹھنا اس کے حاملین (یعنی علمار) کے اٹھنے سے ہو گا ۔ تین دفعہ اس کو فرمایا ؎

معارف وسلوک

قسط ۲

جامع ماسٹر محمد عمر صاحب

ملفوظات شیخ طریقت

مولانا محمد عبداللہ صاحب بہلوی

(شجاع آباد)

فرمایا: میری یہ نصیحت یاد رکھنی چاہئے اگر کسی جگہ دین اور دنیا کا مقابلہ ہو جائے تو دین کو غالب کرنا۔ مثلاً مجھے رواج مجبور کرتا ہے۔ مگر شریعت دوسری جگہ لے جانا چاہتی ہے تو شریعت کو غالب کرنا۔

فرمایا: تصوف میں اصل چیز ہے اہل اللہ کے فیض صحبت کی باتوں سے کام نہیں چلتا۔

قال را بگذار مرد حال شو پیش مرد کامل پامال شو

یعنی باتونی نہ بن حال والا بن۔ پھر فرمایا اگر حال والا بننا چاہتے ہو تو کسی کامل کے سامنے پامال ہونا پڑے گا۔

گر تو سنگ خارہ مرمر شوی چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

اگر تو سخت پتھر کی طرح غیر کارآمد کیوں نہیں، کسی صاحب دل کے پاس جائے گا تو پارس بن جائے گا۔

پیش رہبر ذلیل ہو جاؤ متبع بے دلیل ہو جاؤ

پھر تو ہیچ مچ جلیل ہو جاؤ یعنی اللہ کے خلیل ہو جاؤ

فرمایا: اگر ذکر میں انوار نظر نہیں آرہے پھر بھی شکر کر کہ خدا تعالیٰ نے تجھے بندگی میں تو لگا دیا ہے۔

روشکر کن در کار خیرت بداشت نہ چوں دیگرانت معطل گذاشت

خدا تعالیٰ کا احسان سمجھ اگر وہ یہ فرما دیتا کہ نکل جا! کہ میں تمہیں اپنے دربار میں آنے کی اجازت نہیں دیتا۔

بندگی چوں گدایاں بشرط مزد مکن کہ خواجہ روش بندہ پروری داند

کوئی چیز حاصل نہیں ہو رہی تو پھر بھی اس ذات کریم کا شکر کر رب تعالیٰ کو ایسے ہی منظور ہو گا سردار کو غلام کے پالنے کا طریقہ آتا ہے۔

از خدا جز خدا چیزے مخواہ خدایا از تو ترا خواہم

خدا سے خدا کے سوا کوئی چیز نہ مانگ بس یہی مانگ کہ اے اللہ میں تجھ کو تجھ ہی سے طلب کرتا ہوں۔

فرمایا: ہمارے ذکر کا تو مقصد یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام بک رہے تھے۔ ایک بڑھیا کو راستے میں کسی نے دیکھ کر پوچھا کہاں جا رہی ہو کہنے لگی یوسف کو خریدنے۔ پوچھا کیا اسباب لے کر جا رہی ہو؟ جواب دیا یہ تھوڑی سی سُوت کی اَٹّی لے کر جا رہی ہوں۔ اس پوچھنے والے نے کہا، اللہ کی بندی وہاں تو دولت مندوں کا کام ہے تیری سُوت کی اس چھوٹی سی اَٹی کو کون پوچھے گا۔ کہنے لگی یہ تو مجھے بھی معلوم ہے لیکن قیامت کے دن یوسف کے خریداروں میں تو شامل ہو جاؤں گی۔ اسی کو مولانا روم فرماتے ہیں ؎

ہمینم بس کہ داند ماہ رویم　　کہ من نیز از خریداران اویم

تاکہ میں جان لوں کہ میں بھی اس کے خریداروں میں شامل تھی۔

شیطان اگر وسوسے ڈالتا ہے تو ڈالے تو اللہ اللہ کرتا رہ۔ تیرا کام یار کے کوچہ میں قدم رکھنا ہے قبول کرنا اس کا کام ہے۔

فرمایا: طالب کی صحیح طلب سے خدا ملتا ہے۔ ایک بزرگ رو رہے تھے۔ کسی نے کہا۔ حضرت! بہت نہ روئیں آنکھیں خراب ہو جائیں گی۔ فرمانے لگے اگر آنکھوں کے بدلے یار ملتا ہے تو یہ آنکھیں چلی جائیں یا یار مل جائے ورنہ یہ آنکھیں یار کے سوا کسی چیز کو تو نہ دیکھیں۔

دست از طلب ندارم تا کام من برآید　　یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید

یعنی طلب خدا سے ہاتھ نہ چھوڑوں گا۔ یا جان چلی جائے یا یار مل جائے۔

طلب خدا میں اگر جان بھی چلی جائے پھر بھی سستا سودا ہے۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی　　حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

مجنوں نے لیلیٰ کے فراق میں جان دے دی۔ کیا اللہ تعالیٰ کی طلب لیلیٰ کی طلب سے کم ہے؟

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست　　کہ حیف باشد ازو غیر تمنائے

حضرت شیخ المشائخ مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں کسی نے شکایت کی کہ حضرت! ذکر تو کر رہا ہوں مگر فائدہ نظر نہیں آیا۔ آپ نے فرمایا۔ کیا یہ کم بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا نام مبارک لینے کی توفیق تو دے رہے ہیں پھر حاجی صاحبؒ نے یہ شعر پڑھا۔

یابم اورا نیابم جستجوئے میکنم　　حاصل آید یا نیاید آرزوئے میکنم

بقول حضرت تھانویؒ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ فرماتے تھے جب کوئی شخص ایک دفعہ زبان یا دل سے اللہ اللہ کہتا ہے تو اوپر سے منظوری آتی ہے تب دوسری دفعہ اللہ کا مبارک نام لینے کی توفیق دی جاتی ہے۔ امام الاولیاء

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایک رات کی چاندنی میں جنگل کی طرف نکلے۔ اوپر کو منہ کر کے عرض کیا:

یا بار الٰہ! تیری بادشاہی تو بہت بڑی ہے۔ مگر یاد کرنے والے تھوڑے؟

ہاتف غیب سے آواز آئی بایزید! بادشاہ اپنے دربار میں ہر کسی کو آنے کی اجازت نہیں دیا کرتے۔

فرمایا: اصل چیز مرشد کامل کی صحبت ہے جس قدر مرشد کامل سے محبت کا رابطہ بڑھتا جائے گا۔ مرید دور رہ کر بھی شیخ کے فیض سے فیض یاب ہوتا رہے گا اور بے محبت آدمی مرشد کے فرمان شرعی کی تعمیل نہ کرنے والا گو قریب ہے۔ بے نصیب ہے۔ حضرت لاہوری نور اللہ مرقدہٗ نے قاضی احسان احمد شجاع آبادی مرحوم کی مسجد میں فرمایا تھا:

"اے شجاع آباد والو! آپ لوگ اللہ والوں کی حقیقت کیا جانیں؟ اُن کے جوتوں کے ذرّوں میں وہ موتی ملتے ہیں جو بادشاہوں کے تاجوں میں بھی نہیں ملتے۔ ہم نے اللہ والوں کے جوتوں کی مٹی کے ذرّوں کو سرمہ بنایا تو ہمیں سب کچھ نصیب ہوا"

محدث الامت حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ نے جب دورۂ حدیث پڑھایا تو ختم شریف کی تقریب کے موقعہ پر فرمایا۔ "لاکھ بار بخاری پڑھو، جب تک کسی کامل کے جوتے سیدھے نہیں کرو گے کچھ نہیں ملے گا"

فرمایا: شیخ کی فیض صحبت ہی سے تصوف کا پتہ چلتا ہے۔ اہل اللہ کی صحبت کے بغیر بصیرت کا حاصل ہونا ناممکن ہے، یاد رکھئے علم اور چیز ہے۔ کتابوں کے علم کے مصداق اگر رنگ چڑھانا ہو تو کسی کامل متبع سنت کی صحبت، عقیدت، ادب اور اطاعت سے رنگ چڑھے گا۔ ہر چیز اپنی اپنی دکان سے ملتی ہے۔ کپڑا بزاز کی دکان سے۔ ادویات پنساری سے مگر علم کے مصداق رنگ چڑھانا ہو تو وہ اہل اللہ کے فیض صحبت سے نصیب ہوتا ہے۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جو امت کے امام تھے اور چھ لاکھ حدیث کے حافظ تھے۔ غالباً حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جایا کرتے تھے۔ کسی نے پوچھا آپ اتنے بڑے عالم ہو کر اس گودڑی پوش کے پاس کیوں جایا کرتے ہیں فرمایا۔

"ان کی خدمت میں حاضر ہونے سے وہ باتیں ملتی ہیں جو کتابوں سے حاصل نہیں ہو سکتیں"

صحبت کی بڑی دلیل فضیلت مقام صحابہؓ ہے جس قدر جس صحابیؓ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت زیادہ نصیب ہوئی وہ صحابہؓ میں زیادہ مقام کا مالک بنا۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات میں ہے۔

خواجہ اویس قرنیؒ باطنی قرب اور محبت نبوی کے باوجود محض اس لئے صحابہؓ میں سے ادنیٰ فرد کے رتبے کو نہیں پہنچ سکے کہ وہ بدنی قرب نہیں رکھتے تھے جو صحابہ کرامؓ کو حاصل تھی۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ فارغ التحصیل عالم کو چاہئے کہ وہ کم از کم چھ ماہ کسی کامل کی صحبت

میں رہے تاکہ تزکیۂ نفس ہو جائے۔

فرمایا: دردِ دل پیدا کرو

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

کیا بندگی کے لئے فرشتے تھوڑے تھے؟ حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک بزرگ تشریف لائے فرمایا سعدی بیا ترا قطبی دہم۔ اے سعدی میں تمہیں قطب بنا دوں۔ شیخ سعدی نے عرض کیا۔ اے شیخ! مرا قطبی در کار نیست۔ مجھے قطب بننے کی ضرورت نہیں۔ اگر خواہی داد چیزے مرا دردِ دل بدہ۔ اگر کچھ دینا چاہتے ہو تو دردِ دل والا بنا دیں شیخ نے فرمایا۔ ایں کار برائے مدت درکار است۔ اس کام کے لئے مدت درکار ہے۔

فرمایا: جس قدر دردِ تبلیغ و دردِ تبلیغ اتباعِ سنّت و دردِ تبلیغ توحید ہوگا۔

لہٰذا تیرا مرا درجہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ ہوگا بس یہی خیال رہے کہ یہ سارا محلہ یہ سارا ضلع بلکہ یہ سارا ملک میرے یار کا بن جائے۔

مگر یار سچ کہتا ہوں ناراض نہ ہونا ہمیں اپنی اصلاح کا درد نہیں خلقت کی اصلاح کا درد کیسے پیدا ہوگا۔ امام الاولیاء رئیس التبلیغ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ جو تبلیغی جماعت کے بانی اور امام تھے۔ آپ کسی بڑے آدمی کو تبلیغ کرنے گئے وہ کسی آدمی سے بات کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا بھائی تھوڑی سی دیر کے لئے میری بات بھی سن لیں۔ اس نے حضرت کو چند ا اہانت آمیز الفاظ کہے اور ایک لات بھی مار دی۔ آپ کمزور اور نحیف آدمی تھے۔ ایک کھڈے میں جا گرے۔ آپ اٹھے اور اپنی پگڑی اتار کر اس کے پاؤں پر رکھ دی اور فرمایا کہ بھائی ذرا سی دیر میری بات سن لیں۔ اس کے دل میں رحم آگیا۔ آپ نے تبلیغی جماعت کے اصول بیان کئے۔ آخر میں جماعت میں نکلنے کے لئے وقت مانگا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی برکات سے اس آدمی کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ اس کی وجہ سے تین سو خاندانوں کو ہدایت نصیب ہوئی۔

او ترک لا ولد دو قسم کے ہوتے ہیں ایک جسمانی اور دوسرا روحانی۔ اگر ہماری تبلیغ سے ایک لڑکا یا لڑکی اللہ والا بن گیا تو اس سے نجات ہو جائے گی۔ دل میں ہم عہد کرلیں کہ کم از کم ایک آدمی اللہ والا بنانا ہے۔ خلوص اور محبت سے تبلیغ کریں تو انشاء اللہ اچھا نتیجہ برآمد ہوگا۔

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری قدس سرہ العزیز مدرسہ خیر المدارس جالندھر تشریف لے گئے۔ وہاں ایک بھنگی جو مذہباً عیسائی تھا۔ مکان میں جھاڑو دے رہا تھا۔ آپ کھانا کھا رہے تھے۔ شاہ صاحب نے فرمایا۔ آؤ بھائی میرے ساتھ کھانا کھا لو۔ وہ احساسِ کمتری کے باعث شرمندہ ہوا۔ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ کھانے میں شریک کر لیا۔

وہ جب گھر گیا تو اپنی بیوی کو مذکورہ واقعہ سنایا کہ آج مسلمانوں کے ایک بہت بڑے راہنما نے میرے ساتھ

اس قدر شفقت فرمائی ہے۔ اس کی بیوی نے کہا کہ اگر مسلمانوں کے راہنماؤں کا اس قدر اخلاق ہے تو ہم مسلمان ہوتے ہیں۔ شام کو وہ اپنے بیوی بچوں اور چند دیگر رشتہ داروں سمیت امیر شریعت کے دست حق پر مسلمان ہو گیا۔

فرمایا: حضرت غلام محمد دین پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔ مرید کا کمال یہ ہے کہ وہ شیخ کو اپنا عاشق بنالے۔ وہ تیرے ہدیے اور تحفے تحائف پیش کرنے سے خوش نہیں ہوں گے۔ بلکہ وہ تیری اتباع سنت کثرت ذکر اور ترک بدعت کے دوام سے خوش ہوں گے۔

اسی کو فرمایا

عاشقو عشق میں اس قدر اثر پیدا کرو کہ معشوق خود مفتون ہو تیرے منانے کے لئے

ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ

فرمایا: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر نقل اصل کے مطابق ہو جائے اور اتباع سنت اس قدر محبوب ہو کہ جان دینے اور مال دینے میں دریغ نہ ہو۔ محب کو محبوب کی اطاعت میں خاص لطف، فرحت اور سرور نصیب ہوتا ہے۔ غدر کے زمانے میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی دار العلوم دیوبند کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو گئے۔ آپ اکابر کے مشورہ سے چھپ گئے۔ تین دن بعد باہر نکل آئے۔ کسی نے کہا حضرت آپ چھپے رہیں۔ گرفتاریاں دھڑا دھڑ ہو رہی ہیں علماء کو پھانسی پر لٹکایا جا رہا ہے۔ اگر آپ بھی گرفتار ہو گئے تو تحریک ختم ہو جائے گی۔ آپ نے فرمایا بھائی حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور میں تین دن چھپے۔ میں بھی تین دن چھپا۔ اب قاسم کی جان جائے سو جائے مگر یار کی سنت میں فرق نہ آئے۔

فرمایا: یاد رکھئے۔ افعال ہوں یا اعمال۔ عبادات ہو یا معاملات ہر کام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا خیال رکھنا چاہئے ولایت خرق عادات کا نام نہیں بلکہ اتباع سنت میں کمال پیدا کرنے کا نام ہے۔

مشہور ہے کہ اسلاف میں سے ایک بزرگ کی خدمت میں ایک خربوزہ پیش کیا گیا۔ آپ نے کچھ دیر سوچ کر واپس کر دیا اور فرمایا بھائی مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا معلوم نہیں کہ حضور علیہ السلام نے خربوزے کو توڑ کر کھایا یا چھری سے کاٹ کر کھایا ہے

بس عادت کو عبادت اور دنیا کو دین بنانا ہو تو نیت صاف کر لیں اور ہر کام شروع کرنے سے پہلے سوچ لیں کہ اس کام میں سنت طریقہ کیا ہے۔ پھر انشاء اللہ ہر کام عبادت بن جائے گا۔

فرمایا: تصوف نام ہے تعمیر الظاہر والباطن کا۔ یعنی ظاہر کو آباد کرنے۔ احکام شریعت سے اور باطن کو آباد کرنے اخلاق حمیدہ سے یا بالفاظ دیگر ظاہر کو آباد کرنے آداب شریعت سے اور باطن کو محبت الٰہی سے پیوست کرنے کا نام تصوف ہے۔ ظاہر اگر معاملات، معاشرت، عبادات، سیاسیات۔ تہذیب اخلاق۔ تہذیب تمدن احکام شریعت سے آباد نہیں

تو باطن ماسوی اللہ سے منقطع ہے۔ جب مجھے حضرت مرشد محمد امیر دامانی رحمۃ اللہ علیہ نے خلافت بخشی تو فرمایا۔ " تو قلندر بن "
مجھے تعجب ہوا قلندر تو بے دین بھنگی اور نشئی ہوتے ہیں۔ تشفی کے لئے عرض کیا حضرت! قلندر تو بے دین لوگوں کو کہتے
ہیں۔ فرمایا نہ نہ جو تجھے گالیاں دے۔ تو دعا کرنا۔ جو تکلیف دے احسان سے پیش آنا۔

واعف عن ظلمك واحسن اساءك اليك

تصوف کا حاصل یہ ہے کہ ہماری خودی مٹ جائے۔ خدا کی ذات کے سوا کسی پر نظر وا عتماد و اعتقاد نہ رہے ۔

نہ ہم کسی کے نہ کوئی ہمارا ہم اسی کے وہی ہمارا

خودی کا مطلب یہ ہے کہ اپنی نفسانی خواہشات کو چھوڑ دے اور صرف خدا کی مانے۔

ٹینڈر نوٹس

محکمہ پی ڈبلیو ڈی کے منظور شدہ ٹھیکیداروں سے جنہوں نے سال ۷۹-۱۹۷۸ء کیلئے فیس جمع کرائی ہو مندرجہ ذیل کام کیلئے سر بمہر ٹینڈر مطلوب

نام کام	تخمینہ کام	زرِ ضمانت	ٹینڈر تاریخ	مقررہ میعاد
ٹرائیل بورنگ Trial Boring. اور بور ہول کو کنوئیں میں تبدیل کرانا۔ بمقام رورل ہیلتھ سنٹر ڈاک اسماعیل خیل	۱۵۷،۰۰۰/- روپے	۳۱۴۰/- روپے	۱۵-۴-۷۹	ڈھائی مہینہ

نوٹ باقی تمام قواعد و ضوابط زیر دستخطی کے دفتر میں اوقات کار میں ہر روز دیکھے جا سکتے ہیں۔

(غلام مصطفیٰ خان)
ایگزیکٹو انجنیئر
بی اینڈ آر ڈویژن
نوشہرہ

INF (P) 817

قسط ۳

جناب پروفیسر محمد رضا صاحب غفاری گورنمنٹ کالج بہاولنگر

سماجی اور معاشی انشورنس کی اسلامی تنظیم

اب تک ہم نے موجودہ مغربی نظام انشورنس کا جائزہ لیا ہے اور شریعت اسلامیہ کی روشنی میں یہ بات ثابت کی ہے کہ یہ نظام غیر شرعی اور ظالمانہ مقاصد اور مفسدانہ شرائط کی وجہ سے قابل قبول نہیں۔ البتہ اگر اس کے اصول و مقاصد کی ترمیم (MODIFICATION) از روئے شریعت اسلامیہ کر دی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ ہم نے اشارۃً اس کی ترمیم یا اصلاح کا ذکر بھی کر دیا ہے۔ یہ تمام باتیں مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام انشورنس کے تعارف کے طور پر تھیں جس سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ موجودہ نظام انشورنس سماجی اور معاشی تحفظ (SOCIAL AND ECOOIOMIC-SEURITY) کا ضامن نہیں بن سکتا کیونکہ اس کا دائرہ کار انتہائی محدود ہے یعنی اگر کچھ ہے تو صرف انہی حضرات کے لئے جو اس کے بیمہ دار (POLICY HOLDERS) ہیں جو عموماً سرمایہ دار ہوتے ہیں یا متوسط طبقہ کے لوگ۔ اس نظام میں ایسے شخص کے لئے جو معاشی دوڑ میں پیچھے رہ گیا ہے اسے ساتھ ملانے کا اور نہ گرے پڑے کو اٹھا کر ساتھ چلانے کا پروگرام ہے نہ اس میں ان یتیم بچوں کے لئے دست شفقت ہے جن کا غریب مرحوم باپ بیمہ دار نہ تھا۔ اس نظام میں بیوہ کے لئے نان شبینہ تک کا انتظام نہیں جس کا مرحوم خاوند انشورنس کمپنی میں اپنا یا اس بیوہ کا بیمہ نہ کرا سکا۔ اس میں ان عام غربا کی بھوک مٹانے کا اور کپڑا پہنانے کا کوئی سامان نہیں جو اپنی غربت کی وجہ سے بیمہ پالیسی خرید نہیں سکتے تو بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ نظام انشورنس جس پر آج مغرب فخر کر رہا ہے اور غربا کو اپنا محسن ہونا بتا رہا ہے جس کے پر فریب اور پر کشش اشتہارات فکر فردا کرنے اور غم دوش نہ رہنے کا درس دے رہے ہیں دراصل مذموم سرمایہ داری کی کوکھ سے جنم لینے والا ایک نیا نظام سرمایہ داری، ایک جدید حیلہ اکتناز دولت اور یہودی سودی کاروبار کو فروغ بخشنے کی ایک نئی چال ہے جس کا مقصد امیر کے لئے سب کچھ مگر بے نوا غریب کے لئے کچھ بھی نہیں ہے

آئیے ہم آپ کا تعارف ایسے نظام انشورنس سے کراتے ہیں جس کا مقصد اسلامی ریاست کے صاحب ثروت و صاحب دولت سے کچھ جائز طریقہ سے لے کر اور غربا اور معذورین سے کچھ بھی نہ لے کر ریاست کے تمام شہریوں بلاتمیز

مسلم و کافر تمام سماجی و معاشرتی حاجات کی کفالت، غیر متوقع خطرات کا تحفظ اور نقصانات کی تلافی کی ضمانت دینا ہے۔ یہ انشورنس اس معاشی نظام کا پیدا کردہ ہے جس کا مقصد عدل اجتماعی امن و سلامتی۔ عام رفاہیت، اخوت و مودت اور مروت و موانست کو فروغ دینا ہے۔ اس نظام انشورنس میں بیمہ دار بننے کے لئے مقررہ رقم دینے کی ضرورت نہیں۔ صرف اسلام کو بحیثیت مکمل ضابطہ حیات تسلیم کرنا، امراء کا جائز شرعی ٹیکسوں (زکوٰۃ، صدقات واجبہ عشر وغیرہ بصورت اقساط) کا ادا کرنا اور پوری زندگی اسلام کا بندہ بن کر رہنا ہے۔ اور بصورت ذمی اسلامی ریاست کا وفادار شہری اور معمولی جزیہ کی ادائیگی اور بس۔

اسلام جس قسم کا نظام انشورنس پیش کرتا ہے۔ اس میں اولیت اس بات کو دی گئی ہے کہ اسلامی ریاست کا کوئی شخص بنیادی ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے۔ اسلام کا نظام انشورنس امیر کو ترغیب اور ترہیب دونوں طریقوں سے یہ درس دیتا ہے کہ غریب اور محروم المعیشت تک اس کی ضروریات زندگی پہنچائے۔ اسلام ایسے شخص کو مسلمان ہی نہیں سمجھتا جو مفلس کی حاجت روائی نہ کرے۔

أَرَءَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ۝ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝ [1]

ترجمہ۔ کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جو سزا و جزا کا منکر ہے؟ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی تلقین نہیں کرتا۔

اس آیت میں غریب کو کھانا کھلانے سے انکار تو کجا اگر کوئی فرد کسی دوسرے متمول فرد کو کسی مصیبت زدہ کو کھانا کھلانے کی تلقین نہیں کرتا تب وہ دین دار نہیں۔ ایک دوسری جگہ نہایت ہی تہدید آمیز لہجہ میں فرمایا:

خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ۝ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ۝ إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝ [2]

ترجمہ "اسے پکڑو اور اس کے گلے میں طوق ڈالو۔ پھر اسے جہنم میں داخل کرو۔ پھر اسے ستر گز لمبی زنجیروں میں جکڑ دو۔ یقیناً یہ وہی ہے جو خدائے عظیم پر ایمان نہیں لاتا تھا اور نہ ہی محتاجوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔"

ایک جگہ مومنین کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ [3]

---

[1] الماعون آیا ۳ [2] الحاقہ ۳۰ تا ۳۴ [3] الدہر ۸

ترجمہ۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں (اپنا) کھانا مسکین، یتیم اور قیدی کو کھلاتے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے:۔

ایما اھل عرصۃ اصبح فیھم امرؤ جائعًا فقد برئت منھم ذمۃ اللہ تبارک وتعالیٰ[1]

ترجمہ۔ کسی بستی میں کوئی شخص صبح کو اس حال میں اٹھے کہ وہ رات بھر بھوکا رہا ہو تو پھر اللہ تعالیٰ پر اس بستی کی بقا و تحفظ کی کوئی ذمہ داری نہیں رہ جاتی۔

عن ابی سعید ن الخدری قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان معہٗ فضلُ ظھر فلیعد بہ من لا ظھر لہ ومن لہ فضل من زاد فلیعد بہ علی من لا زاد لہ قال فذکر من اصناف المال ما ذکر حتی رایناانہ لا حق لاحدٍ منا فی فضل[2]

ترجمہ۔ ابوسعید خدری روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے پاس زائد سواری ہو وہ اسے دے دے جس کے پاس سواری نہ ہو اور جس کے پاس ضرورت سے زیادہ زادِ راہ ہو وہ اسے دے جس کے پاس زادِ راہ نہیں۔ حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح مختلف انواع کے مال کا ذکر فرماتے رہے حتی کہ ہم نے خیال کیا کہ ہم میں سے کسی کو اپنے فاضل مال پر حق نہیں۔

من کان عندہٗ طعامُ اثنین فلیذھب بثالث ..... فان اربع فخامس او سادس[3]

ترجمہ۔ جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے آدمی کو مہمان بنا کر شامل کرے اور اگر چار کا ہو تو پانچویں یا چھٹے کو۔

دراصل اسلام نے جو تصورِ وحدتِ امت دیا ہے اس نے دوئی کے تمام پردے چاک کر دئے۔ اور منافرت کی تمام دیواریں ڈھا دی ہیں۔ امت اسلامیہ جسدِ واحد کی مانند ہے یہاں سے وہاں تک ایک ہی احساس کام کرتا ہے اگر اس کے ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو دیگر تمام اعضا اس کی درد کی ٹیس محسوس کرتے ہیں۔ امت اسلامیہ کی یہ تعبیر بڑی ہی دلکش اور مؤثر ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی ہے۔

تری المومنین فی تراحمھم وتوادھم وتعاطفھم کمثل الجسد اذا اشتکی فیہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمی[4]

ترجمہ۔ تو مومنین کو ان کے آپس میں لطف و کرم اور انس و محبت میں ایک جسد کی مانند دیکھے گا جس کے ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو جسم کا ایک ایک عضو بیداری اور بخار میں اس کا شریک ہوتا ہے۔

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل نشر کردہ احمد محمد شاکر حدیث ۴۸۸۰ [2] مسلم، ابوداؤد [3] متفق علیہ [4] متفق علیہ

اب فیصلہ آپ ہی فرمائیں کہ مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام انشورنس اسلام کے نظام انشورنس کی خاکِ راہ کو بھی پا سکتا ہے۔

صح عن عبیدۃ بن الجراح وثلث مائۃ من الصحابۃ ان زادھم فنی فامرھم ابوعبیدۃ فاجمعوا ازوادھم فی مزودین وجعل یقوتھم ایاھا علی سواء[۱]

ترجمہ۔ حضرت ابو عبیدہؓ اور تین سو صحابہ کرام سے متعلق یہ روایت صحت کو پہنچ چکی ہے کہ (ایک موقع پر) ان کا سامان خورد و نوش ختم ہونے کے قریب آ لگا۔ پس حضرت ابو عبیدہ نے حکم دیا کہ جس جس کے پاس جس قدر ہے وہ حاضر کرے اور سب کو یک جا کر کے ان سب میں برابر میں تقسیم کر کے سب کو قوت لا یموت کا سامان مہیا کر دیا۔

عن محمد بن علی انہ سمع علی بن ابی طالب یقول: ان اللہ تعالیٰ فرض علی الاغنیاء فی اموالھم بقدر ما یکفی فقراءھم - فان جاعوا او عروا وجھدوا فبمنع الاغنیاء وحق علی اللہ تعالیٰ ان یحاسبھم یوم القیامۃ ویعذبھم علیہ[۲]

ترجمہ۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ دولت کے اموال پیدان کے غریبوں کی معاشی حالت کو بذریعہ کفالت پورا کرنا فرض کر دیا ہے۔ پس اگر وہ بھوکے ننگے یا معاشی مصائب میں مبتلا ہوں گے تو وہ محض اس لئے کہ اہلِ ثروت اپنا حق ادا نہیں کرتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے باز پرس کرے گا اور اس کوتاہی پر انہیں عذاب دے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعری قبیلہ والوں کی اس وجہ سے تعریف فرمائی کہ جب سفر حضر میں غلہ کی کمی ہو جاتی تو وہ اپنا غلہ ایک کپڑے میں جمع کر دیتے۔ اور پھر برابر تقسیم کر لیتے۔ چنانچہ وہ لوگ مجھ سے ہیں۔ اور میں ان میں سے ہوں[۳]

حضرت امام شافعیؒ اس حدیث سے ایک نہایت دقیق فقہی مسئلہ اخذ کرتے ہیں۔ ان کا مشہور مقولہ ہے:۔

"فقراء کا لوگوں کے مال میں اصولی طور پر حق ہے۔ ضرورت پڑنے پر امیر اور فقیر کے درمیان مال کو مشترک قرار دیا جا سکتا ہے[۴]"

"اس بات پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص بھوکا، ننگا یا ضروریات رہائش سے محروم ہے تو مال دار کے خاص مال سے اس کی کفالت کرنا فرض ہے"[۵]

مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی اس پر حاشیہ میں تحریر کرتے ہیں کہ تمام ائمہ مجتہدین کا بھی یہی مسلک ہے۔[۶]

یہ اور اسی قسم کی دوسری آیات قرآنی۔ احادیث نبوی اور آثارِ صحابہ کرامؓ کو سامنے رکھ کر مغرب (اندلس) کے

---

[۱] محلی جلد ۶ ص ۱۵۸ [۲] محلی جلد ۶ ص ۱۵۸ [۳] بخاری و مسلم [۴] بحوالہ مقالہ ڈاکٹر محمد شوقی الفنجری استاد جامع ازہر

[۵] محلی جلد ۶۔ ص ۱۵۸ [۶] اسلام کا اقتصادی نظام ص ۴۶

مشہور محدث و فقیہہ ابو محمد بن حزم ظاہری نے — کہ جن کو بعض علماء نے قرن خامس کا مجدد کہا ہے — یہ مسئلہ تحریر فرماتے ہیں۔" اور ہر ایک بستی کے ارباب دولت کا فرض ہے کہ وہ فقراء اور غرباء کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں اور اگر مال فئے (بیت المال کی آمدنی) ان غرباء کی معاشی کفالت کو پوری نہ ہوتی ہو تو سلطان (امیر) ان ارباب دولت کو ان کی کفالت کے لئے مجبور کر سکتا ہے۔ (یعنی ان کے فاضل مال سے بالجبر لے کر فقراء کی ضروریات میں صرف کر سکتا ہے) اور ان کی زندگی کے اسباب کے لئے کم از کم یہ انتظام ضروری ہے کہ ان کی ضروری حاجت کے مطابق روٹی مہیا ہو پہننے کے لئے سردی اور گرمی دونوں موسم کے لحاظ سے لباس فراہم ہو اور رہنے کے لئے ایک ایسا مکان ہو جو ان کو بارش۔ گرمی دھوپ اور سیلاب جیسے امور سے محفوظ رکھے[1]

حضرت ابن حزم تو یہاں تک تحریر فرماتے ہیں:۔

"میں کہتا ہوں کہ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اگر ایک شخص کے پاس اپنی حاجات اصلیہ سے زائد خورد و نوش کا سامان موجود ہے اور دوسرا شخص بھوک سے اس قدر مضطرب ہے کہ موت طاری ہو جانے کا اندیشہ ہے تو اس مضطر کو مردار یا خنزیر کھانا جائز نہیں بلکہ اس کا حق ہے کہ زبردستی اس پر قبضہ کر کے بقدر حاجت استعمال کرے خواہ وہ مال مسلمان کا ہو، یا ذمی کا، یا غیر مسلم معاہد کا۔ اور یہ اس لئے کہ صاحب طعام پر فرض ہے کہ وہ بھوکے کو کھانا کھلائے لہٰذا ایسی صورت میں اس حاجت مند کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ خنزیر یا مردار کھانے پر مضطر ہو چکا ہے۔

بہرحال مضطر حاجت مند کے لئے درست ہے کہ وہ امیر کے مال سے اتنا لے لے جتنا اس کی یا اس کی حاجت کو رفع کر دے۔ پس اگر اس نے قبضہ کر لیا اور اس صورت میں لڑائی ہو اور سرمایہ دار نے محتاج کو قتل کر دیا۔ تو سرمایہ دار مارنے والے پر قصاص آئے گا اور اگر سرمایہ دار اس آویزش میں مارا گیا تو " الا لعنۃ اللہ" اللہ تعالیٰ کی پھٹکار کو پہنچا۔ اس لئے کہ اس نے اس کے حق کو ادا کرنے سے انکار کیا۔ جو اس کے ذمہ فرض تھا[2] یہ علامہ ابن حزم کی اپنی رائے ہے۔ جو غرباء کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کی اہمیت پر روشنی ڈالتی ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"میری دلی خواہش ہے کہ میں لوگوں کی ضروریات پورا کئے بغیر دم نہ لوں اس میں لوگ ایک دوسرے کی مدد کریں لیکن جب ایسا ممکن ہو تو پھر سب لوگوں کا خورد و نوش یکجا کر کے برابر تقسیم کر دوں۔"

---

[1] محلی صفحہ ۱۵۶ [2] اسی قسم کا ایک قول حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے ملاحظہ ہو مقالہ ڈاکٹر محمد شوقی استاد جامعہ ازہر کا مقالہ جو خدام الدین میں چھپا [3] محلی جلد ۶ ص ۱۵۶ [4] بحوالہ مضمون ڈاکٹر محمد شوقی قاہرہ۔

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

"اما واللہ لئن بقیت لا رامل اھل العراق لادعنھم لا یفتقرون الی امیر بعدی" الخ

ترجمہ۔ اللہ کی قسم! اگر میں زندہ رہ گیا تو اہلِ عراق کی بیواؤں کو ایسا کر چھوڑوں گا کہ وہ میرے بعد کسی امیر کی محتاج نہ رہیں۔

مفکرِ اسلام مالک بن بنی جزائری نے اسلام کی نظر میں محتاج کی بنیادی ضروریات کی اہمیت کا فلسفہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ "ارے میں نماز کیسے پڑھوں مجھے تو بھوک لگی ہے۔"

آپ کے اس قول سے مفلس بھوکے کے اپنی فرض نماز چھوڑ دینے کا جواز نہیں۔ بلکہ یہ تو ریاست اور امراء اس کی بھوک کو رفع کرنے کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔

حضرت عمرؓ کا ایک اور ارشاد یہاں نقل کرنے کے قابل ہے فرماتے ہیں۔

لو استقبلت من امری ما استدبرت لاخذت فضول اموال الاغنیاء فقسمتھا علی فقراء المھاجرین[۱]

ترجمہ جس بات کا مجھے آج اندازہ ہوا ہے اگر پہلے ہو جاتا تو میں کبھی تاخیر نہ کرتا اور بلا شبہ اہلِ ثروت کی فاضل دولت لے کر فقراء و مہاجرین میں بانٹ دیتا۔

الغرض اس طرح اسلام تعاون و تکافل کا وہ اعلیٰ ترین معیار قائم کرنا چاہتا ہے جس تک آج کے مذموم سرمایہ دار اور لادین اشتراکی ذہن رکھنے والے کا تخیل پرواز ہی نہیں کر سکتا۔

اسلام سماجی اور معاشی انشورنس کے لئے اجتماعی کفالت عامہ کا جو تصور پیش کرتا ہے اسے وعظ اور تلقین ہی تک نہیں چھوڑا۔ نہ صرف اسے انفرادی اور اجتماعی وجدان کے رحم و کرم کے سپرد کیا ہے بلکہ اسلامی خلیفہ کے یہ بات ذمہ لگا دی ہے کہ وہ اس نظام کو عملی جامہ پہنائے۔ اور ہر اس رکاوٹ کو جڑ سے کاٹ دے جو اس نظام کے راستہ کا پتھر بنتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بحیثیت امیر کے ہی تھا جس میں آپ نے فرمایا۔

"جو کوئی مقروض مرے، یتیم اولاد بے سہارا چھوڑے اس کا قرض میں ادا کروں گا۔ اور اولاد کی پرورش میرے ذمے ہے۔"[۲]

ایک اور روایت میں یہ فرمان اس طرح ہے۔ "جو یتیم اور بے سہارا اولاد چھوڑے تو میں ان کا والی ہوں۔"[۳]

اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر فرد کو بقدرِ کفایت ضروریاتِ زندگی مہیا کرے۔ سید علی زاد حنفی

---

[۱] کتاب الخراج ص ۳۷ [۲] بحوالہ نمبر ۱ [۳] محلی ابن حزم جلد ۶ ص ۱۵۸

[۴] صحیحین [۵] ترمذی ابواب الفرائض

فرائض امیر پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"ولا یدع فقیراً فی ولایتہ الا اعطاہ ولا مدیوناً الا قضی عنہ دینہ ولا ضعیفاً الا اعانہ ولا مظلوماً الا نصرہ ولا ظالماً الا منعہ عن الظلم ولا عاریاً الا کساہ کسوۃ" [1]

ترجمہ۔ اور امیر اپنی مملکت کے اندر کسی فقیر کو فقیر نہ رہنے دے اور نہ کسی قرض دار کو قرضدار باقی رکھے اور نہ کسی کمزور کو بے روزگار رہنے دے اور نہ کسی مظلوم کو دادرسی سے محروم کرے اور نہ کسی ظالم کو ظلم کرنے دے اور ہر ننگے کو لباس مہیا کرے۔

سماجی اور معاشی تحفظ کا ہی احساس تھا جس کے پیش نظر حضرت عمرؓ کا رعایا کی زندگی کو خوشحال بنانے اور ان کے ہر قسم کے حقوق کی حفاظت کرنے کی انتہائی خواہش کے سلسلے میں راتوں کو تفتیش حالات کے لئے گشت کرنا ایک مشہور تاریخی حقیقت ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کا شوق رفاہیت عامہ اس پر بھی بس نہیں کرتا اور فرماتے ہیں۔

" اگر میں زندہ رہا تو انشاء اللہ شب کا گشت تمام قلمرو میں پورے سال کیا کروں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ہر قسم کی کوشش کے باوجود لوگوں کی بعض حاجات یقیناً پوری ہونے سے رہ جاتی ہیں۔ کیونکہ وہ مجھ تک پہنچ نہیں سکتے اور عمال شاید ان کو مجھ تک نہ پہنچاتے ہوں۔ اس لئے دو دو مہینے مصر اور بحرین کا دورہ کروں گا۔ اور اسی طرح کوفہ اور بصرہ کا۔" [2]

آپ کا ایک دوسرا قول ہے ... اگر پیٹ بھر کر کھا ہو جاؤں اور دوسرے انسان بھوکے ہوں تو اس کے ایک ہی معنی ہیں کہ میں عوام کا اچھا والی نہیں ہوں۔" [3]

ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ساری رات مصلے پر بیٹھے روتے رہے صبح کو زوجہ محترمہ نے اس غیر معمولی رنج وغم کا حال دریافت کیا تو فرمایا۔

"میرا حال یہ ہے کہ اسود و احمر تمام امت مسلمہ کا والی ہوں تو میں سوچتا ہوں کہ دور دور اقطاع و امصار میں ایسے ناتوان مسافر ہوں گے جو قناعت اور تنگ حالی کی وجہ سے برباد ہو رہے ہوں گے۔ پس مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں قیامت کے دن ضرور سوال کرے گا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کی جانب سے مجھ سے ضرور جھگڑیں گے سو میں ڈرتا ہوں کہ اس وقت اللہ کے حضور کوئی عذر نہیں پیش کر سکوں گا اور نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی حجت لا سکوں گا تو یہ رنج وغم اسی خوف کی وجہ سے ہے" [4]

---

[1] شرح شرعۃ الاسلام بحوالہ مولانا حفظ الرحمان " اسلام کا اقتصادی نظام ص ۱۲۹، ۱۳۰ [2] طبری عن الحسین ۳۸ ۲۷، ابن جوزی سیرت عمرؓ ص ۱۲۳ [3] مولانا حامد انصاری اسلام کا نظام حکومت ص ۴۰۲ [4] کتاب الخراج ص ۱۷

مندرجہ بالا مضمون کی روشنی میں آپ اندازہ فرمائیں کہ اسلامی حکومت کو رعایا کے مستقبل کے خطرات سے تحفظ نقصانات کی تلافی اور ان کی کفالت عامہ کا کس قدر فکر ہے؟ اور اسے وہ اپنی ذمہ داری سمجھتی ہے۔ جسے پورا کرنا اس کا فرض ہے۔ کیا موجودہ نظام انشورنس یا اس کے بانی اور نقالی کرنے والی دیگر حکومتیں اس قسم کی کوئی نظیر پیش کر سکتی ہیں؟ تو پھر کیا بات ہے کہ یہ اسلامی نظام کو اپنانے کی کوشش نہیں کرتے؟

اسلامی نظام حکومت اپنے بیت المال میں باقاعدہ ایک شعبہ قائم کرتا ہے جس کا مقصد یہی ہے کہ اسلامی ممالک میں کوئی فرد بھی معیشت سے محروم نہ رہے۔ ایسے اشخاص جو مرض مزمن۔ ضعف پیری۔ نقص اعضا۔ یتیمی و بیوگی یا دوسرے اسباب کی بنا پر کسب معیشت سے معذور ہیں وہ افراد امت پر بار دوش نہ بن جائیں۔ بلکہ حکومت بیت المال سے وظائف مقرر کر کے ان کے حق معیشت کو پورا کرے[1]

حضرت عثمانؓ نے ضیاء نہدی کے ضعف پیری اور کثرت اہل و عیال کو دیکھ کر ان کے بچوں کی تعداد دریافت کر کے ان کا اور ان کے بچوں کا جداگانہ وظیفہ مقرر کر دیا تھا[2]

حضرت عمر بن الخطابؓ نے بیت المال سے دودھ چھڑائے بچوں، بوڑھوں اور بیماروں کے وظائف مقرر کئے[3]

واضح رہے کہ یہ اخراجات زکوٰۃ کے معروف مصارف کے علاوہ ہیں۔ اپنی نوعیت کے اعتبار سے اسے اس دور کے لئے سماجی تحفظ (SOCIAL SECURITY) کا نظام قرار دیا جا سکتا ہے۔

اسلام کے نظام کفالت عامہ کا دائرہ کار

اس عنوان کے تحت ہمیں اس بات کا جائزہ لینا ہے کہ کیا اسلام نظام کفالت صرف مسلمانوں کے لئے ہے؟ اسلامی تعلیمات کا شناسا ذہن اس کا جواب منفی میں دے گا۔ قرآنی تعلیمات میں مسلم و کافر کی تمیز نہیں۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا (دھر)

ترجمہ۔ وہ اپنا کھانا اللہ کی محبت میں مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں۔

فقہ اسلامی میں یہ تصریح بھی ہے کہ صدقات واجبہ (مثلاً زکوٰۃ، عُشر) کے علاوہ بیت المال کے محاصل کا تعلق جس طرح قلمرو اسلامی کی مسلمان رعایا کی ضروریات زندگی سے وابستہ ہے اسی طرح غیر مسلم (ذمی) کی حاجات و ضروریات سے متعلق بھی ہے۔

چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فقرا اور مساکین میں غیر مسلموں (ذمیوں) کو بھی شامل کر لیا ہے۔ اور

---

[1] عہد نبوی اور خلفائے راشدین المہدیینؓ کے عہد مبارک اور بعد کے ادوار میں بھی یہ چوتھا شعبہ تھا (مقالہ نگار) [2] اسلام کا اقتصادی نظام ص ۱۴۶، [3] کتاب الاموال صہ ۲۳۸

حضرت امام ابویوسفؒ نے قانونِ فقہ میں اس قول کو سند ٹھہرایا ہے۔[1]

امام اعظم اور امام محمد نے تو تصریح کردی ہے کہ زکوٰۃ اور عشر کے علاوہ تمام صدقات واجبہ ونافلہ مثلاً نذر وفطر وغیرہ ذمی فقراء کو دیئے جاسکتے ہیں۔ اور حربی مستامن کی مدد بھی صدقاتِ نافلہ سے کی جاسکتی ہے۔[2]

ایک مرتبہ حضرت فاروقِ اعظم ایک مکان پر تشریف لے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بوڑھا نابینا بھیک مانگ رہا ہے۔ دریافت فرمانے پر پتہ چلا کہ یہودی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس سے دریافت کیا کہ تجھے کس چیز نے بھیک مانگنے پر مجبور کیا؟ اس نے جواب دیا کہ جزیہ کی ادائیگی، معاشی ضرورت اور پیرانہ سالی نے۔ یہ سن کر آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے مکان پہ لے گئے۔ جو موجود تھا وہ دیا اور پھر بیت المال کے خزانچی کے پاس فرمان بھیجا۔

"انظر هذا وضرباءه، فوالله ما انصفناه ان اكلنا شيبته ثم نخذله عند الهرم۔ "انما الصدقٰت للفقراء والمساكين" والفقراء هم المسلمون وهذا من اهل الكتب ووضع عنه الجزية وعن ضربائه۔"[3]

ترجمہ: یہ اور اس قسم کے دوسرے حاجت مندوں کی تفتیش کرو! خدا کی قسم! ہم ہرگز انصاف پسند نہیں ہوسکتے اگر ان (ذمیوں) کی جوانی کی محنت (جزیہ) تو کھائیں اور ان کی پیرانہ سالی میں انہیں بھیک مانگنے کے لئے چھوڑ دیں۔ قرآن عزیز میں ہے: "انما الصدقات للفقراء والمساکین" اور میرے نزدیک یہاں فقراء سے مراد مسلمان مفلس ہیں اور مساکین سے مراد اہلِ کتاب کے مساکین وفقراء ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ایسے لوگوں کا جزیہ معاف کردیا۔

حضرت ابوبکر صدیق کے عہد میں حضرت خالد بن ولیدؓ نے حیرہ کو فتح کیا تو اہلِ حیرہ کو جو معاہدہ لکھ کر دیا وہ کفالت عامہ میں مسلم اور غیر مسلم کی مساوات کی ایک دستاویز ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

وجعلت لهم ايما شيخ ضعف عن العمل او اصابته آفة من الآفات او كان غنياً فافتقر وصار اهل دينه يتصدقون عليه، طرحت جزيته وعيل من بيت مال المسلمين وعياله ما اقام بدار الهجرة ودار الاسلام۔[4]

ترجمہ: "اور میں یہ طے کرتا ہوں کہ اگر ذمیوں میں سے کوئی ضعفِ پیری کی وجہ سے ناکارہ ہوجائے یا آفات ارضی وسماوی میں سے کسی آفت میں مبتلا ہوجائے یا ان میں سے کوئی مالدار محتاج ہوجائے اور اسی کے اہلِ مذہب اس کو خیرات دینے لگیں تو ایسے تمام اشخاص کو جزیہ معاف ہے اور بیت المال ان کی اور ان کے اہل وعیال کی معاشی کفالت کا ذمہ دار ہے جب تک وہ دار السلام میں مقیم ہیں۔ یہ اور اسی قسم کے دیگر نظائر سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اسلام کا نظام کفالت عامہ بلاتمیز مسلم وکافر ہے یہ ایسا دریا ہے جس سے دوست دشمن دونوں پیاس بجھا سکتے ہیں اور ایسی ٹھنڈی چھاؤں ہے جس سے تمتع کا حق سب کو ہے۔ امید ہے کہ آپ اسلام کے نظام

---

[1] شامی باب المصرف ج ۲ ص ۹۲　[2] کتاب الخراج ص ۱۲۶　[3] ایضاً　[4] کتاب الخراج ص ۱۴۴

پروفیسر ڈاکٹر محمد ریاض صاحب اسلام آباد

مکتوبات و مواعظ مولانا رومیؒ

مولانا جلال الدین محمد رومی (م ۶۷۲ھ/۱۲۷۳ء) کی تین تصانیف مثنوی، دیوان اور فیہ ما فیہ نام کے ملفوظات، ہمارے ہاں معروف ہیں۔ مگر چالیس برس سے ان کی دو دیگر تصانیف بھی منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔ یہ تصانیف 'مکتوبات رومی' اور 'مجالس سبعہ رومی' ہیں۔ دوسری تصنیف کو ہم یہاں مواعظ کا نام دے رہے ہیں۔ رومی کے ایک خلفِ رشید ڈاکٹر فریدون نافذ بک نے کوئی نصف صدی پہلے ان دونوں کتابوں کے انتخابات اور اجزاء استنبول سے شائع کرائے۔ اور ۱۹۳۷ء میں انہیں کامل صورت میں چھپوا دیا۔ ان کتابوں کی ایران میں تجدید[1] طبع بھی ہو چکی۔ مکتوبات کی تعداد ۱۴۵ ہے جب کہ 'مجالس سبعہ' کا عنوان مواعظ کے سات ہونے کا حالی ہے۔ مگر مشہور رومی شناس پروفیسر بدیع الزمان فروزانفر مرحوم نے رومی کے حالات و افکار کے بارے میں اپنی تحقیقی کتاب میں (۲) مجلسِ اول کی تفکیک کی اور اسے چار مواعظ یا مجالس کا مجموعہ بنایا ہے۔ اس طرح مواعظ دس قرار پا سکتے ہیں۔

مثنوی اور دیوان میں رومی کے افکار کا جو سیل بے پناہ ہے۔ اس کے مقابلے میں فیہ ما فیہ، مکتوبات اور مجالس میں سے ہر ایک کو جوئے کم آب کہا جائے گا۔ مگر رومی ایسے عظیم مفکر مصنف کی ہر تصنیف اہم ہے۔ البتہ یہ تینوں تصانیف رومی کے دورِ تعقل و نفاست سے زیادہ مربوط ہیں اس لئے ان میں شمس تبریزی کے اثرِ صحبت کے بعد کا ہیجانِ عشق زیادہ مشہود نہیں۔ بعض مکاتیب میں دردِ عشق کا وفور چشم گیر ہے۔ اور ایسے مکتوبات یقیناً ۶۴۵ھ/ ۱۲۴۸ء کے بعد ارقام پذیر ہوئے ہوں گے۔

"تاریخ اسلام نے بڑے پر آشوب ادوار اپنے دامن میں سمور کئے ہیں۔ ایسے ادوار میں عصر رومی بھی ہے ایسے عصر میں چنگیز اور اس کے گروہ نے قلمرو اسلامی میں انسانیت سوز مظالم کا ارتکاب کیا۔ چنگیزیوں کے مظالم کے معاشی عواقب اور سیاسی نتائج بے حد روح فرسا تھے۔ بے روزگاری، معاشی کساد بازاری اور سیاسی عدم استحکام اس عصر کی نمایاں خصوصیات تھیں۔ ایک عجیب افراتفری، کس مپرسی اور طوائف الملوکی کا زمانہ تھا

ایسے عصر میں متکلف اور صوفیا کا رویہ معذرت آمیز ہونا باعث تعجب نہیں۔

رومی ایک مستحکم شخصیت و کردار کے حامل اور ایک دیدہ ور شخصیت تھے۔ انہوں نے اپنے وعظ و ارشاد اور نثر و نظم کے ذریعے متکلمین مسلمانوں کو بے خوف و حزن بنانے اور امرا کی تحریص و تشویق کے ذریعے معاشی بدحالی کے شکار لوگوں کی حالت بہتر کرنے کی امکان بھر کوشش کی ہے۔ رومی کے حالات میں لکھا ہوا[۳] ہے کہ وہ بے حد متحمل بردبار۔ فیاض اور قانع شخص تھے۔ مکتوبات و مواعظ ان کے ان اخلاقی اوصاف کی تصدیق کرتے ہیں بلکہ انہیں ایک عظیم محب انسان اور خیر خواہ بشر کے طور پر بھی متعارف کرتے ہیں۔ ایک مختصر گفتگو میں تین سو سے زائد صفحات کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ تاہم مکتوبات اور مجالس کی اہم تر باتوں میں سے چند کا ذکر کر دینا، مشتے از خروارے کے مصداق ممکن ہے۔

مکتوبات کے سلسلے میں یہ بات برملا کہی جاسکتی ہے کہ رومی کی غیر معمولی مفکرانہ شخصیت سے جوڑ نہیں کھاتے کم مکتوبات کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے اہم مکاتیب کے زمرے میں آتے ہیں۔ دراصل مکتوبات کا نام ایسے ہی معدود خطوط کو زیب دیتا ہے۔ باقی مختصر رقعے ہیں مگر رومی کے معتقدین قابل تعریف ہیں کہ انہوں نے اپنے مرشد و مربّی کی معمولی تحریریں بھی سنبھال کر رکھیں۔ اور آج جب مخطوطے شائع شدہ کتب بنے، تو ہم رومی کے ایک دل سوز اور دم ساز پہلو سے آگاہ ہوئے۔ رومی کے مکتوب الیہم معاصر سلاطین، وزراء، امراء علماء اور ارادت مند مرید ہیں۔ دراصل یہ سب طبقات رومی کے معتقد تھے۔ رومی کے بعض خطوط ان کے اعزہ و اقارب کے نام بھی ہیں۔ مگر جیسا کہ پہلے اشارہ ہوا بیشتر خطوط ایک طرح کے سفارشی رقعے ہیں ان رقعوں میں رومی نے سلاطین۔ وزراء۔ امراء اور یا اغنیاء علماء کو لکھا ہے کہ فلاں کو روزگار دیں۔ فلاں معزول کو خدمت پہ بحال کریں۔ فلاں مقہور الیہ کی خطا معاف کریں۔ کسی مفلس و بے نوا کی مدد کریں۔ کسی کو رشوت اور مالیات دینے کے غیر معمولی بار سے نجات دیں اور اسی طرح بعض خطوط صبر و شکر، قناعت و ترک ہوس، سخاوت و خیرات اور صلح و آشتی وغیرہم کے پند و نصائح پر مشتمل ہیں۔ رومی چونکہ تمثیل اور داستان سے زیادہ کام لیتے ہیں۔ بہ خصوصیات ان کے مکتوبات و مجالس میں بھی دیکھی جاسکتی ہیں چند اشارے ملاحظہ ہوں:۔

مولانائے روم ان مصنفین اور شعراء میں سے ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو بالخصوص اور عام مسلمانوں کو بالعموم عشق محبت کا درس نت نئے اسالیب بیان کے ساتھ دیا ہے۔ ان کا تصور عشق بے حد وسعت اور تنوع کا حامل ہے اور اس کے مباحث گاہے گاہے مکتوبات میں بھی آئے ہیں۔ مثلاً پہلے مکتوب میں اس ضمنی بحث کا آغاز ملاحظہ ہو یہ مکتوب سلاجقہ روم کی افواج کے ایک سالار امیر نجم الدین کے نام لکھا گیا ہے:۔

"..... ایں از صفائے جوہر محبت باشد کہ محبت او بر جوہر لطیف افتد زہرا ہر کہ ہست در ہیجدہ ہزار عالم

ہر یک محبت و عاشقی چیزے است۔ شرف ہر عاشقے بقدر شرف معشوق اوست، معشوق ہر کہ لطیف تر و ظریف تر و شریف جوہر تر، عاشق او عزیز تر۔"

وسعتِ قلب، اخلاصِ عمل اور فوائے باطن کے صوفیانہ مباحث بھی کئی مکتوبات میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ رومی اپنے تقریباً ہر مکتوب میں عربی اور فارسی اشعار نقل کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی آیات پر نیز احادیث، اخبار اور عربی امثال بھی ان کے مکتوبات میں سب دیکھی جا سکتی ہیں۔ رومی کی مجالس کا بھی یہی اسلوب ہے۔ ان کے کئی مکتوبات میں مندرجہ ذیل آیات دلپذیر توضیحات اور توجیہات کے ساتھ منقول ملتی ہیں۔

من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسنًا فیضٰعفہ اضعافاً کثیرۃً ۲/۲۴۵ (تم میں کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے تاکہ وہ اسے کئی گنا بڑھا دے)

مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃٍ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃٍ مائۃ حبۃٍ ط واللہ یضٰعف لمن یشاء (۲/۲۶۱ جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے کی ہے جس کی سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں۔ اللہ جس کے لئے چاہے اضافہ فرما دیتا ہے)

للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضرباً فی الارض یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف ج تعرفھم بسیمٰھم لا یسئلون الناس الحافاً (۲/۲۷۳ اعانت ان فقرا کی جو اللہ کی راہ میں گھر گئے۔ اور زمین میں دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے۔ اجنبی ان کے ظاہر سے انہیں امیر خیال کرے گا۔ تم ان کی پیشانیوں سے انہیں پہچان لوگے۔ وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے)

الذین ینفقون فی السراء والضراء والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس ط واللہ یحب المحسنین (۳/۱۳۴ نیکوکار وہ ہیں جو خوشحالی اور تنگی میں خرچ کرتے، غصہ پی جاتے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے ہیں۔ اللہ ایسے نیکوکاروں کو پسند کرتا ہے)

انہ من قتل نفساً بغیر نفسٍ او فسادٍ فی الارض فکانما قتل الناس جمیعاً ط ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعاً ط (۵/۳۲ یہ کہ جس نے کسی جان کو جان کے بدلے۔ یا زمین میں خرابی پیدا کرنے کے سوا قتل کیا۔ اس نے گویا سارے انسانوں کو قتل کر دیا۔ اور جس نے ایک جان کو زندہ رہنے کے قابل بنایا۔ اس نے گویا سب انسانوں کو زندہ کر دیا)

من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا ج ومن جاء بالسیئۃ فلا یجزی الا مثلھا (۶/۱۶۰ جو نیکی لے آیا، اس کے لئے ویسی دس نیکیاں ہیں اور جو برائی لایا اسے اس برائی کے برابر بدی کا بدلہ ملے گا)

قال الذین کفروا للذین امنوا انطعم من لو یشاء اللہ اطعمہ ن صلے (۳۶/۴۷ کفار نے کہا

ہم مومنوں کو کھلائیں جنہیں اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا۔

یٰایھا الذین اٰمنوا ھل ادلکم علیٰ تجارۃٍ تنجیکم من عذاب الیم ۝ تومنون باللہ و رسولہ وتجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم و انفسکم (۶۱/۱۰-۱۱)

مومنو، کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے دے؟ یہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا و مال و جان کے ساتھ راہِ خدا میں جہاد کرنا ہے۔

انما نطعمکم لوجہ اللہ لا نرید منکم جزآءً ولا شکورا (۷۶/۹)

ہم تمہیں رضائے خداوندی کے لیئے کھلاتے ہیں تم سے جزا کے طالب ہیں اور نہ شکریہ کے۔

الخلق عیال اللہ فافضلھم انفعھم لعیالہ

مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔ پس زیادہ صاحب فضیلت شخص وہ ہے جو اللہ کے کنبے کو زیادہ فائدہ دے۔

خیر الناس من ینفع الناس

زمین میں جو ہیں ان پر رحم کرو تاکہ آسمان والا تم پر رحم فرمائے۔

ان آیات اور احادیث کی توجیہات و توضیحات قابل قیاس ہیں۔ رومی بار بار یہ نکتہ سمجھاتے ہیں کہ اجتماعی اور جماعتی نیکی کی اہمیت ہے۔ اور کسی انفرادی نیکی کی بھی کم اہمیت نہیں ہے۔ کسی ایک مفلس و محتاج کی حاجت روائی بھی ثواب عظیم کی متضمن ہو سکتی ہے اس قسم کے مباحث منقولہ بالا آیۂ کریمہ ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا کے تحت آتے ہیں یا ماخلقکم ولا بعثکم الا کنفس واحدۃٍ ۲۸/۳۱ کی توضیح کے دوران مکتوب ہشتم میں اسی متاخر آیت شریف کی توضیح میں رومی ایسا مبحث پیش کرتے ہیں۔ کہ گویا اس مشہور حدیث نبوی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہیں جو شیخ سعدی کے اشعار میں اس طرح سمو گئی ہے ؎

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند		کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار		دگر عضوہا را نماند قرار
تو کز محنت دیگراں بے غمی		نشاید کہ نامت نہند آدمی

ایک نکتہ یہ ہے کہ رومی کے ہاں ایک مضمون کی ایک احادیث کئی بار نقل ہوئی ہیں اور اکثر ان کا متن بھی متضاد دست نقل ہوا ہے۔ دیگر صوفیا کی طرح وہ بھی اکثر اخبار روایات کو احادیث رسول قرار دیتے رہے ہیں۔ بہر حال مکتوبات میں وہ بیشتر مساکین اور فقراء کی مدد کی تلقین کرتے ہیں۔ دو خصوص میں انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت کا ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ عہدِ فاروقی کے دوران قلمرو خلافت میں

کسی مقام پر آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا حضرت فاروق اعظمؓ وہاں پہنچے آگ بجھائے جانے کی کوششوں کو دیکھا اور فرمایا :- لوگو ! یہ آگ پانی سے نہیں بجھ سکتی - اس کے لئے صدقہ و خیرات دینے کا اہتمام کرو - اس واقعہ کے نقل کرنے سے رومی صدقہ و خیرات کی اہمیت پر مؤثر انداز میں روشنی ڈالتے ہیں -

بعض خطوط میں رومی نے اسلامی عبادات کی روح کے بارے میں معنی خیز بحث فرمائی ہے - مثلاً مکتوب ۱۹ میں وہ نماز کی پابندی کے معنوی فوائد پر روشنی ڈالتے ہیں - فرماتے ہیں کہ نماز طہارت بدن، پاکیزگی روح اور اخلاق علو کا نام ہے - لہذا نماز کے پابند شخص کو اپنے اخلاق و اعمال پر توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ آیا اس کی عبادت روح و معنی سے بھی مملو ہو چکی ہے ؟ بعض خطوط کے ذیل میں رومی نے فراق و وصال اور عشق و محبت پر مبنی اپنے دلپذیر موضوعات سے بھی بحث فرمائی ہے - مگر ان خطوط کا معتدبہ حصہ حقوق العباد ادا کرنے کی تلقین پر ہی مبنی کہا جا سکتا ہے - وزرار و امرار کے نام کی انواع کی سفارشیں ملتی ہیں - چند خطوط میں شیخ حسام الدین چلپی م ۶۸۳ھ اور ان کے داماد نظام الدین کی مالی مدد کی درخواست کی گئی ہے - مکتوب شمارہ ۲۶ میں وہ سلاجقہ روم کے معروف وزیر امیر پروانہ بیک سے سفارش کرتے ہیں کہ ان کے ایک ارادت مند تاجر شہاب الدین کو سیواس کے علاقے میں تجارت کرنے کی سہولت دی جائے - لکھتے ہیں کہ شہاب الدین نیک، مخیّر اور کثیر العیال شخص ہے مگر عمّال حکومت نے اسے سخت پریشان کر رکھا ہے اور اس کا کاروبار مسدود ہے - معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں تاجروں پر باج و خراج کا غیر معمولی بوجھ ڈالا جا رہا تھا - اور رومی اس ناانصافی کو دور کرنے کے لئے امیر پرواز کو متوجہ کرتے ہیں -

کثرت اولاد لازم میدارد مشغول شدن بتجارت تا بہ سیواس وحدود آن و از سبب باج داران و تصدیع ایشاں مدّتے است تا از بازرگانی ماندہ است (مکتوبات رومی طبع تہران ص ۸۱)

رومی کی سفارش وزرار و امرار کے علاوہ علمار و قضاۃ کے نزدیک بھی مسلّم و محترم تھی - اسی لئے بعض خطوط میں وہ مساجد کے ائمہ، موذّن اور خادم کے طور پر مقرر ہونے کے لئے بعض موزوں افراد کے نام تجویز کرتے ہیں -

رومی ایک طرف وزرار اور امرا کو صدقہ و خیرات اور مدد فقرار کا درس دیتے ہیں - اور دوسری طرف فقرار اور مساکین کو قانع اور صابر و شاکر بننے کا کہتے ہیں تاکہ وہ زیادہ زر و مال کے طالب نہ بنیں - اور معمولی ماحصل پر خرسند رہیں - مگر فقرار و مساکین کی بنیادی ضروریات بہرحال ہونا ضروری ہے - مکتوب شمارہ ۱۴۱ میں رومی اپنے کسی ارادت مند وزیر کو بہار الدین نامی مدرس کو تدریس پر مامور کرنے کے سلسلے میں یہی نکتہ سمجھاتے ہیں کہ اسے کاد الفقر ان یکون کفراً - حدیث نبوی ہے قریب ہے کہ فقر و غربت کفر بن جائے) کا مصداق نہ ہونے دیں - قرآن مجید ہے : قل لعبادی الذین امنوا ان ارضی واسعۃ (۵۶ : ۲۹) میرے ایمان دار بندوں سے کہہ دیجئے کہ بے شک میری (زمین وسیع ہے) یہ آیت کے اعتبار سے ناگزیر حالات میں ہجرت کرنے کی مؤید ہے -

مگر رومی صوفیانہ تاویل سے کام لے کر ارض واسع، کو توکل و قناعت کی بے کراں سرزمین کا ایک کنایہ قرار دیتے ہیں۔ مکتوب شمارہ ۴۳ میں لکھتے ہیں۔

آں ارض توکل و قناعت واسع است۔ آں را کہ آں در کشادہ اند بنظر مرحمت در ہمہ وجوہ کہ ہر یکے چوں مور چون بحیلہ ورزند و دانہ رانجانہ می کشند و می افتند و می خیزند از آنکہ دیدۂ خرد دارند، خرمن باقی، فہو حسبہ، (۶۵:۳) پس وہی اس کے لئے کافی ہے) رانمی تواند دیدن"۔ اس خط کے زیادہ حصے میں یہی آیت زیر بحث ہے۔

رومی کے مکتوبات میں القاب و آداب خاصے تکلف آمیز اور مبالغہ خیز ہیں۔ مگر مکتوب نگار نے اپنے لئے امراء و وزراء سے کچھ طلب نہیں کیا۔ وہ دوسروں کی خاطر اپنا خون جگر اور وقت عزیز صرف کرتے نظر آتے ہیں۔ رومی کی سفارشیں بھی بے حد مخلصانہ ہیں اور دوسروں کی بگڑی بنانے کی خاطر انہوں نے پورا زور قلم صرف کیا ہے۔ (یعنی دوستانہ خطوط میں شیخ صلاح الدین زرکوب (م ۶۵۷ھ) اور شیخ حسام الدین چلپی کے نام ایک ایک خط قابل ذکر ہے۔ وہ ان دونوں بزرگوں کا بے حد احترام کرتے تھے۔ شیخ صلاح الدین زرکوب ان کے سمدھی بھی تھے۔ موصوف کی بیٹی رومی کے فرزند اکبر سلطان ولد (م ۷۱۲ھ) کے ساتھ بیاہی ہوئی تھی۔ رومی کے نجی خطوط میں اس بہو اور بیٹے کے نام لکھا جانے والا ایک ایک خط اور بھی اہم قرار پاتا ہے۔ ہوا یہ کہ میاں بیوی کے درمیان کچھ ناچاقی پیدا ہو گئی اور قریب تھا کہ جدائی کی نوبت آجاتی۔ مگر رومی نے مصالحت کروا دی۔ رومی نے بیٹے کو بیوی کی دل داری پر آمادہ کیا اور اسے سمجھایا کہ طلاق و جدائی نہایت مکروہ اور ناپسندیدہ افعال ہیں۔ دوسری طرف انہوں نے بہو کی ڈھارس بندھوائی اور اسے یقین دلایا کہ اپنے بیٹے کی ہر زیادتی کا مداوا کرنا ان کا فرض ہوگا۔ بہو کے نام رومی کا خط (مکتوب شمارہ ۷۵) اس طرح آغاز پذیر ہے (ترجمہ)

رومی بروحک ممزوج و متصل فکل حادثۃ توذیک توذینی

خدائے جل جلالہ کو گواہ لاتا ہوں اور اس کی ذات قدیم کی قسم کھاتا ہوں کہ جس بات سے اس پیاری بیٹی کا دل آزردہ ہوا اس سے میرا دل کئی گنا زیادہ آزردہ ہوا ہے۔ سلطان المشائخ اور انوار حقائق کے نازل ہونے کے مقام (مخاطب کے والد شیخ زرکوب) کے احسانات سے میری گردن خم ہے۔ اور ان احسانات کا شکریہ ادا کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ مگر یہ کہ خدائے تعالیٰ خزانۂ غیب سے ان کی ادائیگی کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ بیٹی سے میری التماس یہ ہے کہ اپنے دکھ درد مجھ سے کسی حال میں بھی نہ چھپائے۔ اور مجھے سب کچھ بتاتی رہے تاکہ میں مشکلات و حوادث کے ازالے کی امکانی بھر کوشش کروں۔ اگر فرزند عزیز بہاء الدین (سلطان ولد) تیری دل آزاری کے درپے ہو تو قسم بخدا میں اس سے برگشتہ خاطر ہو جاؤں گا۔ اس کے سلام کا جواب تک نہ دوں گا۔ اور کہہ دوں گا کہ میرے جنازے پر بھی نہ آئے۔"

مجالس و مواعظ

رومی کے مواعظ کا مطبوعہ عنوان "مجالسِ سبعہ" ہے۔ مگر استاد فروز انفر مرحوم کا یہ قیاس قابلِ لحاظ ہے کہ پہلی مجلس چار مجالس کا مجموعہ ہے۔ رومی اپنے والد مولانا بہاء الدین بلخی (م ۶۲۸ھ / ۱۲۳۱) کے غیاب میں اور ان کی وفات کے بعد ۶۲۸ ہجری اور ۶۲۹ ہجری میں نیز ۶۳۸ تا ۶۴۲ ہجری کے دوران مجلس منبر کو زینت بخشتے رہے۔ ۶۲۹ تا ۶۳۸ ہجری کے دوران انہوں نے اپنے والد کی نیابت اپنے استاد سیّد برہان الدین محقق ترمذی (م ۶۳۸ / ۱۲۴۱) کو تفویض کئے رکھی۔ ۶۴۲ تا ۶۴۵ ہجری وہ حضرت شمس تبریزیؒ کے جلیس رہے۔ اور اس نے بعد صاحب مناقب العارفینؒ کے قول کے مطابق انہوں نے اکا دکا بار مجلس آرائی کی ہے۔ کیونکہ ان کا اسلوبِ زندگی بدل چکا تھا اور وہ کم سخن و خلوت نشیں ہو گئے تھے۔ مجالس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مطالب رومی کی شمس تبریزی سے ملاقات سے پہلے کے دور سے زیادہ جوڑ کھاتے ہیں۔ اور مجلس دوم دیگر مجالس پر مقدم ہے۔ اس مجلس کا ترجمہ ہم چھپوا چکے ہیں۔ (ماہنامہ الولی حیدر آباد بابت ستمبر و اکتوبر ۱۹۷۸ء) اور اس کے مقدم ہونے کا قرینہ یہ ہے کہ اس میں رومی اپنے والدین کا سایہ تا دیر باقی رہنے کی دعا کرتے ہیں، اور چونکہ ان کے والد ۶۲۸ھ ۱۲۳۱ میں فوت ہوئے۔ لہذا یہ تقریر رومی کے ۲۴ سالہ دورِ حیات یا اس سے بھی قبل سے مربوط ہوگی۔

" خدایا، جس والد اور والدہ نے میرے نہالِ وجود کی پرورش کی۔ انہیں اپنے الطاف اور افضال میں آسودہ حال رکھ تاکہ وہ اس خاکسار پر اپنی تعلیم و تربیت کا سایہ تا دیر ڈالتے رہیں۔ اور اپنے مربیانہ احسانات میں اضافہ کرتے رہیں " (ماہنامہ مذکورہ بالا ص ۱۴۷)

رومی کے ان دہ گانہ مواعظ کا اسلوب یکساں نوعیت کا ہے۔ وہ حمدِ خدا، نعتِ رسولؐ اور منقبتِ صحابہؓ کا التزام کرتے ہیں اور بعد میں کسی آیہ قرآن یا حدیث رسولؐ کی توضیح و تبیین کو اپنی تقریر کا موضوع قرار دیتے ہیں۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ رومی کی مجالس میں دعا و مناجات، آیت یا حدیث کی تفسیر سے قبل ملتی ہے۔ مکتوبات کی طرح مجالس بھی حکایات، تمثیلات اور عربی و فارسی اشعار سے مزین ہیں۔ عرب شعرا کا میں احاطہ نہ کر سکا۔ مگر فارسی کے بیشتر اشعار ناصر خسرو حجت (م ۴۸۱ھ / ۱۰۸۸)، فردوسی (م ۴۱۱ھ / ۱۰۲۰)، مسعود سعد سلمان (م ۵۱۵ھ / ۱۱۲۴)، سنائی غزنوی (م ۵۳۵ھ / ۱۱۴۱) عطار نیشاپوری (م ۶۱۸ھ / ۱۲۲۱)، خاقانی شروانی (۵۹۵ھ / ۱۱۹۹) اور نظامی گنجوی کے ہیں۔

رومی کے مواعظ شاخ در شاخ مطالب کے حامل ہیں۔ وہ ایک بات بیان کرتے ہوئے دوسری بات کی توضیح میں لگ جاتے ہیں۔ اور تمثیل و حکایت نگاری میں بھی لگ جاتے ہیں۔ اس لئے دس مجالس کے مطالب کی فہرست کئی گنا تعداد پیش کر سکتی ہے۔ تاہم ہر مجلس کا مرکزی مضمون ایک ہی رہا ہے۔ مثلاً مجلس اول کے عنوان کے تحت جو چار

مجالس سبعہ ہیں۔ ان میں ایک سنّت نبویؐ کی روشنی میں اتحادِ مسلمین سے مربوط بحث ہے ۔ قرآن مجید کی ایک آیت ہے اِنَّ ابراھیمَ کان امۃ (یعنی بے شک حضرت ابراہیم ایک امت تھے) اس آیت کی توضیح میں رومی فرماتے ہیں کہ جس طرح حضرت ابراہیم امت ساز تھے اسی طرح حضرت محمدؐ بھی امت ساز ہیں بلکہ نبی آخرزمان کی امت عالمگیر ہے ۔ اور ابدی بھی ، مگر اس امت کے افراد کا اتحاد اس امر میں مضمر ہے کہ وہ سنّت رسولؐ سے متمسک رہیں ۔

دوسری مجلس کا عنوان ایک حدیث پاک ہے جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے :

حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ــــ جو شخص گناہوں کی ذلت سے نکل گیا اور عزتِ تقویٰ کی طرف آگیا ۔ اللہ تعالیٰ اسے بے مال کی تونگری دے گا ۔ اور بے عشیرہ وگروہ اسے عزت بخشے گا ۔ اور جو اللہ سے آسانیٔ رزق کی فراہمی پہ راضی ہوگیا ۔ اللہ تعالیٰ اس کے مختصر اور معمولی نیک عمل سے دیگر مجالس مواعظ کے جزوی یا کلی اہم عنوانات مندرجہ ذیل قرار دئے جا سکتے ہیں ۔

حبِ رسولؐ ، ایمان وایقان کی اساس ہے ۔

اکلِ حلال کے بغیر روحانی ارتقاء کا امکان نہیں ہے ۔

دولت وجاہ ومرتبہ حاصل ہوں تو اہلِ ایمان کو سخت آزمائش سے دوچار ہونا پڑتا ہے ۔

اسلامی معاشرے کو عدل وانصاف کی ضرورت ہے اور عفو ورحمت کی بھی ۔

عشق ومحبت ، عقل وخرد سے برتر ہے ۔

علم ودانش اور عمل میں تطابق پیدا کرنا ، ایمان کا نقطۂ کمال ہے ۔

اس مختصر تعارف نامہ سے یہ بات آشکار ہوجاتی ہے کہ مثنوی ، دیوان اور فیہ ما فیہ کی طرح مکتوبات ومواعظ رومی میں بھی تعلیمات اسلامی کے کئی پہلو بڑے فکر انگیز انداز میں بیان ہوئے ہیں ۔ رومی کی ہر تصنیف کے کئی مطالب ان کی دوسری تصانیف کے موضوعات کے ساتھ مربوط ہی نہیں ، ان کے ساتھ مشترک اور متوارد بھی ہیں ۔ مگر یہ مباحث اس مختصر مقالہ میں نہیں سما سکتے ۔ اور انہیں کسی دوسری گفتار کے لئے موکول وملتوی رکھتے ہیں ۔

حوالے اور وضاحتیں

۱۔ مکتوبات رومی ۔ مرتبہ یوسف جمشیدی پور وغلام حسین امین ۔ تہران ۱۳۵۰ ۔ مجالس سبعہ ضمیمہ مثنوی معنوی (از روئے نسخہ مرتبہ محمد رمضان مرحوم) تہران سن ن ۔ اس مجموعے میں چھ دوسری کتابیں بھی منضم کردی گئی ہیں ۔

۲۔ رسالہ در تحقیق احوال زندگانی مولانا جلال الدین محمد مشہور بہ مولوی تہران طبع دوم ۱۹۵۴ء دیکھیں اضافے

۳۔ مناقب العارفین جلد اوّل ۔

شفیق فاروقی
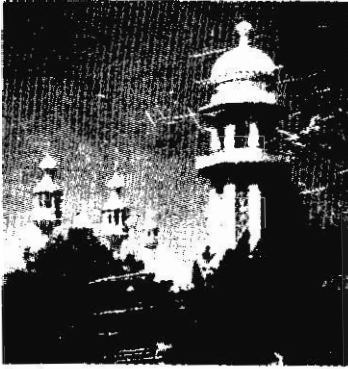
دار العلوم حقانیہ کے شب و روز

حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کی صحت حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ جو ۱۳ر جنوری سے جناح ہسپتال کراچی میں آنکھوں کے علاج کے سلسلہ میں مقیم ہیں، پروفیسر ڈاکٹر ٹی۔ ایچ کرمانی اور دیگر حضرات بڑی توجہ سے علاج فرما رہے ہیں شوگر کیوجہ سے آنکھیں صاف نہیں ہو رہی ہیں جسکی وجہ سے ڈاکٹر نوٹو کاگوریشن کا طریقۂ علاج مختلف وقفوں سے کر رہے ہیں، عمومی صحت حضرت کی رو بہ افاقہ ہے اور تاحال یعنی ۱۲ر اپریل ۷۹ء تک کراچی میں زیر علاج ہیں قارئین سے دعاء صحت تامہ اور مکمل بینائی کی اپیل ہے۔

مدیر الحق کی مصروفیات ۲۵ر مارچ ۷۹ء کو جناب مدیر الحق۔ صدر پاکستان کی نامزد کردہ قومی کمیٹی برائے مدارس عربیہ کے اجلاس میں شمولیت کے لئے روانہ ہوئے ۲۶ر مارچ کی شام کو کراچی پہنچ کر حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کی خدمت میں حاضری دی، ۲۷ر مارچ کی صبح کمیٹی کے اجلاس میں شمولیت کے لئے کراچی سے بذریعہ کار حیدرآباد تشریف لیگئے، جہاں یونیورسٹی حیدرآباد میں دو دن کمیٹی کے اجلاس ہوتے رہے ابتدائی نشست میں وفاقی وزیر مذہبی امور نے بھی شرکت کی، قومی کمیٹی کے اجلاسوں میں مدیر الحق کی پہلی شمولیت تھی اور الحمدللہ نصاب درس نظامی کے سلسلہ میں آپ نے بھرپور ترجمانی کی اور گرمجوشی سے معرکہ میں حصہ لیا۔ اب کمیٹی کی منتخب کردہ ذیلی کمیٹی برائے نظرثانی نصاب مروجہ عصری کا اجلاس ۱۷ - ۱۸ر اپریل کو اسلام آباد میں ہوگا۔ محترم مدیر صاحب اس ذیلی کمیٹی میں بھی شامل ہیں اور انشاءاللہ نصاب مدارس عربیہ کے افادیت کے سلسلہ میں بھرپور وکالت کریں گے۔ حیدرآباد کے اجلاس کے بعد مدیر الحق ہفتہ عشرہ حضرۃ شیخ الحدیث مدظلہٗ کی خدمت میں کراچی میں رہے اور ۱۹ر اپریل کو واپسی ہوئی۔

ششماہی امتحانات ۳۱ر مارچ مطابق ۲ر جمادی الآخر کو دارالعلوم کے ششماہی تحریری اور تقریری امتحانات ہوئے جو ہفتہ بھر جاری رہے۔

مؤرخ دارالعلوم دیوبند کی وفات دارالعلوم دیوبند اور دیوبند کے مشہور تاریخ نگار جناب سید محبوب رضوی کا دیوبند میں اچانک انتقال ہوا، یہ اطلاع مدیر الحق کے نام مولانا بدرالحسن قاسمی مدیر الداعی کے خط سے ہوئی جناب مدیر صاحب نے ایک خط کے ذریعہ دارالعلوم حقانیہ کیطرف سے اظہار تعزیت کیا اور دعائے مغفرت کی گئی۔

ایک
اچھوتا انداز شکنوں سے بے نیاز
پولیسٹر بلینڈڈ
سینفورائزڈ
فیبرکس
شنگریلا ایس کیو ۷۷۷۷
شرٹنگ کے لئے اعلیٰ بلینڈڈ آئرش لینن
فلیمنکا ایس کیو ۱۰۰۵
پیماکاٹن اور جرمن پولیسٹر فائبر سے تیار کردہ پولیسٹر لان
کینڈل اسٹار ایس کیو ۱۰۰۸
پولیسٹر کاٹن شرٹنگ
الکازار ایس کیو ۱۰۰۳
پولیسٹر کاٹن ٹسر

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

MFTM-5-77

Asiatic